

یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار

ہو فلسفہ لکھا نہ گیا خلی جگر سے



علامہ اقبال اور فلسفہ

زندگی اور موت

(از روئے حدیث پاک قرآن حکیم)

علامہ اقبال نے زندگی اور موت کے فلسفہ کو تین نقطہ نظر سے پیش کیا ہے یعنی اس کے تین پہلوؤں کو بڑے حسن انداز سے اجالا کر فرمایا ہے

محمد جمیل الدین صدیقی
سپر ٹنڈنٹ ہائیکورٹ
حیدرآباد دہلی (ریٹائرڈ)

ہدیہ

4/-

چار روپے

رحمن اسلامک پبلیشرز
23-1-525 منور کالج
کوئٹہ عالیہ جہان آباد
بازار حیدر آباد

بار اول

ایک نمبر

جون ۶۸۸

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین
۱	علامہ اقبال اور نلسنہ زندگی اور اس کی نقطہ نظر	۱	۲۳	روح علوی و سفلی
۲	زندگی اور موت کا پہلا پہلو (مقصد اول)	۲	۲۴	انسان کے جسم کی پیدائش
۳	مقصد دوم	۳	۲۵	کرہ ارض پر
۴	زندگی کا ایک اور راز اتحاد	۴		کیا زندگی مراد ہے صرف
۵	ملت و روشنی حق	۵		و روح ہی کے ملاپ سے
۶	عمل اور انقلاب حسنہ کا رجحان	۶		
۷	اصل زندگی	۷		
۸	زندگی پانے کا ایک راز خدمت خلق	۸		
۹	حیات جاوید کا راز یقین محبت صداقت	۹		
۱۰	تحفظ خود و دینی زندگی	۱۰		
۱۱	دوسرا پہلو زندگی اور موت یعنی غم	۱۱		
۱۲	مہربان حادثات بھی زندگی خوشی و موت	۱۲		
۱۳	جوانی غیث غم و ذوق طلب	۱۳		
۱۴	تیسرا پہلو - بدن اور روح کا ملاپ	۱۴		
۱۵	زندگی - علم و زندگی موت	۱۵		
۱۶	بے ثباتی و تاخیر	۱۶		
۱۷	نہمغ از زندگی	۱۷		
۱۸	آغاز زندگی آدم کرہ ارض پر	۱۸		
۱۹	انسان اللہ کا نائب	۱۹		
۲۰	کار جہاں و مدت معینہ	۲۰		
۲۱	عالم برزخ	۲۱		
۲۲	انسان کی روحانی و جسمانی زندگی	۲۲		
۲۳	اور دیگر مخلوقات سے تقابل	۲۳		
۲۴	روح - مخلوق ذری مخلوق ناری	۲۴		
۲۵	مخلوق خاکی	۲۵		
۲۶	عالمین	۲۶		
۲۷	انسان کی روح کی پرواز اور	۲۷		
۲۸	اس میں جسم کا حصہ	۲۸		
۲۹	عالم رویا یعنی نیلند	۲۹		
۳۰	نیلند اور موت میں فرق	۳۰		

علامہ اقبال اور فلسفہ زندگی اور موت

اور اسلامی نقطہ نظر

عام طور پر روح اور بدن کے ملاپ کو زندگی کہتے اور بدن سے روح کی علیحدگی کو موت سمجھتے ہیں۔ علامہ اقبال نے زندگی اور موت کے تین پہلوؤں پر تین حیثیت اور تین زاویہ نگاہ کے پیش نظر اپنے نکات نظر پیش کئے ہیں آپ دیکھیں گے کہ وہ قرآن اور حدیث سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ تین پہلو یا تین زاویہ نگاہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مقصد زندگی اگر حاصل ہو تو وہی ہے اصل حیات۔ ایسی حیات ہی انسان کو حیاتِ جاوید عطا کرتی ہے اگر انسان مقصد حیات سے قائل رہے اور پھر زندہ رہے تو یہ اسکی زندگی نہیں بلکہ اسکی دائمی موت ہے جو زندگی ہی میں اسے فنا سے ہلکار کر دیتی ہے۔

۲۔ زندگی میں خوشی و غم عیش و عشرت غم و راحت مصائب حادثات جو درپیش آتے ہیں علامہ کا نقطہ نظر ہے کہ خوشی عیش و عشرت اور راحت انسان کو حقیقی زندگی سے محروم کر دیتے اور غم مصائب و حادثات ہی انسان کو زندگی کے راز سے آگاہ کرتے اور اصل زندگی عطا کرتے ہیں۔

۳۔ عیسوی نوعیت زندگی اور موت کی وہ ہے جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے یعنی جو جسم و روح کے ملاپ یا علیحدگی سے مراد ہے یعنی جسم سے روح کا تعلق برقرار ہے تو زندگی اور جسم سے روح کی علیحدگی ہو تو موت اب مندرجہ بالا تین عنوانات کے تحت ہر عنوان پر ہم علیحدہ بحث کریں گے مگر جو چیزیں ذہن نشین رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک نقطہ زندگی کا تعلق ہے کائنات کی مکمل فضاء زندگی سے معمور ہے جھاڑ و درخت بھی پہاڑ بھی غرض کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنی نوعیت کی ایک زندگی رکھتا ہے اور اپنے مقصد حیات کی تکمیل میں لگا ہوا ہے بقول علامہ اقبال۔

یہ راز اندیشہ سوخو و زیاں ہے زندگی ؛ ہے کبھی جاں کبھی تسلیم جاں ہے زندگی !

تو اسے پیماۂ امر و زور و قرا سے نہ تاپ ؛ جادواں سپہم دوان ہر دم خواں ہے زندگی !

جیسا کہ بیان کیا گیا کائنات کا ذرہ ذرہ زندگی کا حامل ہے اور کائنات کی فضاء زندگی سے معمور ہے لیکن

کائنات میں انسان کی زندگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے چونکہ انسان کی زندگی کا مقصد بہت ہے اور انسان کی زندگی اور موت کا مفہوم بھی بہت ہی وسیع و بالا ہے۔ کائنات کی زندگی کے مقصد کی تکمیل کے بعد مر جاتی اور مردہ ہو جاتی ہے لیکن اگر انسان نے اپنے کی تکمیل کر لی تو وہ کریم بن جاتا ہے اور غیر مقصد حیات کی تکمیل کے پھر وہ جلتا پھر تازہ مردہ ہے ؟ اس لئے علامہ اقبال پہلے ہی جتنے پھر اس طرح سمجھا۔

تجھے معلوم ہے غافل ! کہ تیری زندگی کیا ہے ؟ سستی سے معمور نوا ہائے کلم
 قلمِ مستی سے تو ابھر ہے مانندِ حیا ؛ اس زیاں خانے میں تیرا امتحان
 اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے ؛ سرِ آدم ہے خمیر کن فکاں ہے ز
 زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار ؛ تابیہ چنگاری فردغ جاوداں پیدا

زندگی اور موت کا پہلا پہلو

مقصد اول اقرارِ توحید جیسا کہ اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتے ہیں "ہمیں پیدا کیا ہم کو مگر اس لئے کہ ہماری بندگی کریں پھر سورہ البقرہ میں فرما

میں نے فرشتوں سے کہا ہم تین پر اپنا نائب بنانے والے ہیں۔ یعنی انسان کو پیدا کرنے سے انسان کی ذمہ داریاں بڑی عظیم ہو گئیں کہ اس کی زندگی کا مقصد اللہ کی نیابت اور بندگی اور تقاضا زندگی کی تکمیل کے ساتھ۔ پھر سورہ نبی اسرائیل میں فرماتے ہیں "اللہ کوئی معبود مت، تجوید کر ورنہ تو یہ حال ہے یار و مددگار ہو کہ بیٹھ رہے گا گویا" کا مقصد شرک سے پرہیز اور توحید و وحدانیت کا قرآن و اعلان ہی انسان کا مقصد زندگی کا مقصد تھا اس نقطہ نظر سے اگر حیات جاویداں اور ابدی زندگی کی خواہش ہو تو حضرت اقبال نے ہمارے زندگی میں استءال انتہا الّا ؛ پس ا موت ہے جب لا ہوا الّا یعنی انسان کی زندگی کی بنیاد لا "ہیں" سے شروع ہوتی ہے اور انتہا الّا یعنی معبود ماننے اور معبود تک پہنچنے پر ختم ہوتی ہے۔ اگر انسان کی زندگی جوالہ سے شروع ہوئی تو حوالہ رہائی کی حامل ہو گئی اور زندگی کی انتہا معبود کے تصور میں فنا ہو جاتے پر ہوئی تو بلازلت حیات جاوید اور ابدی زندگی کی صف من بن گئی اگر زندگی پا کر معبود سے بیگانہ ہو کر

چیز انسان کے لئے موت بن گئی ظاہر وہ زندہ ہی کیوں نہ نظر آئے۔ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں۔

(۱) قرب جاں یا آنکہ گفت "اتی قریب" ؛ از حیات جادواں بردن نصیب

(۲) فرد از توحید لا ہوتی شود ؛ ملت از توحید جبروتی شود

ترجمہ (۱) جان یعنی زندگی کی قربت تو اللہ پاک کے ساتھ والبتہ رہنے میں ہے۔ جس نے "اتی قریب" کہا اس کو حیات جادواں اور زندگی جاوید نصیب ہو گئی یعنی اللہ کا قربت حیات دائمی کا راز ہے۔

(۲) انسان توحید کو مان کر لا ہوتی یعنی عالم لاہوت کا یکس بن جاتا ہے اور ملت جب اللہ کی توحید اور وحدانیت کا اقرار کرتی ہے تو باجبروت یعنی قدرت والی بزرگی و عظمت جاہ و جلال والی ہو جاتی ہے جیسا کہ ضرب کلیم میں علامہ فرماتے ہیں۔

تہادی و غفاری و قدوسی و جبروت ؛ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

انسان جب مومن بن کر مندرجہ بالا چار عناصر کا مجموعہ ہو جائے تو اس کو تہ و بالا کون کر سکتا ہے جیسا کہ اپنی معروف کتاب "چہ باید کرد" اقوام مشرق میں علامہ فرماتے ہیں۔

خیرا از بازی داند ز شر ؛ از نگاہش عالمی زیر و زبر

ترجمہ۔ مومن ہمیشہ شر سے بچا رہتا ہے تو اس کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اس کے ایک ادنیٰ سے اشارے بلکہ اس کی نگاہ سے ایک عالم زیر و زبر تہہ و بالا ہو جاتا ہے تو مومن کے بالود ہونے یا تہہ و بالا ہونے موت سے ہٹکارا ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے جیسا کہ بال جبریل میں فرماتے ہیں۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مر و مسلمان کہ ہے ؛ اس کی ازاؤں سے فاش سر کلیم

مقصد زندگی دوم اطاعت رسول و پابندی شریعت | پھر اللہ پاک کا حکم ہوتا ہے یا و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول یعنی اے ایمان والو!

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس ظاہر ہو گیا کہ مقصد زندگی اقرار توحید کے بعد اطاعت اللہ و اطاعت رسول صلعم ہے یعنی رسول مصطفیٰ صلعم کے حکم کی تعمیل۔ اب حکم رسول اللہ صلعم ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش اس (شریعت) کے تابع نہ ہو جائے جسے

میں لیکر آیا ہوں "پھر فرمان آقا مآد ار صلعم ہے تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک میں نہیں تمہاری اولاد و مال و جان سے زائد غریزہ نہ ہو جادوں کو یا عشق محمدیؐ اور شریعت محمدیؐ کی کاحقہ تعمیل ہی حیات کا مقصد دوم بعد اقرار توحید ہوا۔ مندرجہ بالا احکام کے تحت عشق رسولؐ اور شریعت محمدیؐ کی پابندی کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں غلامہ اقبال کی زبان میں اللہ کی جانب سے سنئے

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے ؛ دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے
 کی محمد سے وقا تو نے تو ہم تیرے ہیں ؛ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
 جب انسان مومن بن کر زندگی کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں عشق محمد کی انتہا بصورت تکمیل
 شریعت ظہور پذیر ہوتی ہے اور تبلیغ انسان بھی اس کی زندگی کا جزو بن جاتا ہے تو اس منزل کو دہر میں
 اسم محمد سے اجالا کر دے یعنی کی منزل کہتے ہیں۔ جب اس منزل پر انسان پہنچ جائے اور سند دقائے
 محمد سے مل جائے تو اللہ پاک لوح و قلم اس مرد مومن کے حوالے فرما دیتے ہیں۔ اور کائنات اس
 کے قبضہ میں آجاتی ہے بقول حضرت اقبال :-

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی ؛ میرے کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک
 عالم ہے نقطہ مومن جاننا زکی میراث ؛ مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے
 جب دقا محمد کی یہ منزل زندگی میں آتی ہے تو موت اس کی کثیر بے دام اور حیات ابدی و زندگی جاوید
 اس کی دائمی منزل بن جاتی ہے۔

زندگی کا ایک اور راز اتحاد ملت و روشنی حق اللہ پاک قرآن حکیم میں فرماتے ہیں زندگی کا اصل
 راز اور مقصد — (اے ایمان والو!) سب

مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو " (آل عمران ۱۰۲) —

اب علامہ قرآن کی روشنی میں جاوید نامہ میں زندگی کا راز بصورت فرد اور ملت سمجھاتے ہیں :-

۱۔ چیست ملت اے کہ گوئی لا الہ ؛ یا ہزاران چشم بودن نیگہ نگہ

۲۔ بے تجلی نیست آدم راشبات ؛ جلوہ ما فرد ملت را حیات

۳۔ ملت چوں بی شود توحید مست ؛ قوت و جروت فی آید بدست

۴۔ ملت چوں مرد کم خیزد ز قبر ؛ چارہ اور چیست غیر از قبر و صبر

ترجمہ :- ۱۔ اے لا الہ کہنے والے اے شمع توحید کے پروانے ! کیا تو جانتا ہے کہ ملت کس کو کہتے
 ہیں ہزاروں انسان کا ہم خیال ہونا ایک نظر مونا یعنی اتفاق ملت ہوتا ملت کی زندگی ہے اگر اتفاق
 ہو تو یہ فرد کی تو کیا ملت کی موت ہے۔

۲۔ اے انسان ! تجلی خدا یعنی روشنی حق ہی انسان کو ثبات و معنی یعنی زندگی کی بقا کو ضامن ہے
 جب روشنی حق اے ہم آگے نہیں تو ہمارا ظہور فروا ہو کہ بصورت ملت حیات ہی حیات زندگی
 ہی زندگی ہے۔

- (۳) جب کوئی ملت توحید میں مست اور سرشار رہتی ہے تو ایسی زندگی پاتی ہے۔ حقوق والی بھی ہوتی ہے اور وہ ملت صاحبِ جبروت بھی ہوتی ہے (کون انکار کر سکتا ہے کہ قوت و جبر جو اصل زندگی ہیں)
- (۴) - جب کوئی ملت رشتہ حق چھوڑ دیتی ہے تو وہ مرجاتی ہے۔ قبر میں دفن ہو جاتی ہے اور اپنی قبر سے سمجھ لو کہ اٹھ ہی نہیں سکتی اب اس کے لئے قبر میں لیٹے رہنے اور صبر کرنے کے سوا کوئی علاج ہی باقی نہیں رہ جاتا۔

اصل زندگی کا راز علامہ ہر شخص کو بانگِ درا میں یوں سمجھاتے ہیں۔

فرق قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ؛ موج ہے دیا میں ادبِ بیرون دریا کچھ نہیں
پھر جاوید نامہ میں اور تفصیل سے فرماتے ہیں۔

- ۱۔ اہل حق را حجت و دعویٰ یکیت ؛ خیمہ ہائے ماجدا، دہا یکیت
- ۲۔ روح ملت را وجود از انجمن ؛ روح ملت نیست محتاج بدن
- ۳۔ تا وجودش را نمود از صحبت است ؛ مرد و چوں شیرازہ صحبت شکست

ترجمہ (۱)۔ اصل زندگی اہل حق یعنی اللہ والوں کی یہ ہوتی ہے کہ ان کا دعویٰ و حجت ایک ہی ہوتی ہے گو جسم دیکھنے کو الگ الگ جدا جدا نظر آتے ہیں لیکن سب کا دل ایک ہی ہوتا ہے (جو اصل زندگی ہے)

(۲)۔ فرد کو کیا ملت کی روح یعنی بقاء و زندگی صرف انجمن یعنی جماعت سے ہے ملت کی زندگی

ملت کی روح بدن کی محتاج نہیں رہتی مطلب صاف ہے کہ زندگی کی خواہش تو ایک ملت ہو کر ملت میں قائم ہو جانے میں ہی زندگی ہے۔

(۳)۔ فرد کو ملت اس کے وجود کی نمود، تشہید و نما اور زندگی کی بقاء کا راز اتحاد اور یکجا رہنے میں ہے جوں ہی اس کے اتحاد میں فرق آیا شیرازہ اتحاد و نہایت و یکجائی بکھر گیا تو فرد تو کیا ملت شکستہ ہو کر موت کے عذاب سے ہلکا رہ جاتی ہے۔ گویا علامہ کے یہ اشعار آقا نامدار صلعم کے اس فرمان کی تفسیر ہیں کہ "جماعت میں رحمت ہے اور متفرق ہونا عذاب ہے۔"

پس معلوم ہوا کہ قوم کی اصل زندگی اتحاد اور قوم کی موت جس میں فرد خود ہی شامل ہوتا ہے۔

نفاق میں مضمر ہے۔

عمل اور انقلاب حسنہ کا رجحان اصل زندگی

علامہ بال جبریل میں فرماتے ہیں۔
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی ؛ روح اہم کی حیات کشکش انقلاب

ہیں یہ غیر از خود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا ؛ تو آگہ نفس میں جہاں سے مٹا تجھے مثالِ شرا
پھر ارمانِ حجاز میں فرماتے ہیں۔

مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام ؛ گر چہ ہر فی روح کی منزل ہے آغوش
بہر حال انقلاباتِ حسنہ لانے کی کشمکش میں مبتلا رہنا عین زندگی ہے اور اس کشمکش سے محرومی
اس کے لئے ہمیشہ عمل کے میدان میں قدم جما شے بڑھتے رہنا ہوتا ہے۔ یعنی عمل وہ چیز ہے کہ مرے
انسان کو زندگی بخشا ہے اس لئے علامہ فرماتے ہیں "مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا کام
پھر فرماتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ؛ یہ خاک اپنی فطرت میں نہ لوری ہے نہ نا
علامہ کا اٹل نظریہ ہے کہ حیات دراصل عمل میں پوشیدہ ہے زندگی کا مقصد اور لذتِ حیا
تو یہ صرف عمل سے حاصل ہوتی ہے اس مضمون کو اسرارِ خودی میں علامہ یوں بیان فرماتے
۱۔ در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات ؛ لذتِ تخلیقِ قانونِ حیات
پھر آگے فرماتے ہیں۔

۲۔ در جہاں نتوان اگر مردانہ زلیست ؛ ہنچو مرداں جاں سپردن زندگی آ
۳۔ گر فنا خواہی ز خود آزاد ستو — ؛ گر بقا خواہی بخود آباد ستو

ترجمہ : (۱) اگر دنیا میں مردانہ انداز سے زندگی بسر کرے گا موقع نہ ملے تو مردانہ خدا
جان اللہ کے حوالے کر دینا عین زندگی ہے۔ (اس سلسلہ میں تمام شہداء اسلام اور امام حسینؑ
اس شعر کا مطلب اور علامہ کا اس سلسلہ میں نقطہ نظر کو نہایت ہی خوبی سے واضح کرتے
(۲)۔ اگر تو فنا ہو جانا چاہتا ہے تو بے لگام بے ہنگام زندگی گزار اور اگر تجھے بقا کی خواہش
تو اصول اور احکام کے تحت زندگی بسر کر ہی بقا اور آباد رہنے کا راستہ ہے۔

بہر حال زندگی عمل سے بقا پاتی ہے اگر زندہ رہنا ہو اور اپنی دنیا زندوں میں پیدا کرنی ہے
عمل سے ہی ممکن ہے اور ابنِ آدم کی زندگی کا راز اور ضمیر کی تعمیر صرف عمل ہی سے ممکن ہے
سے لگن، محنت اور زندگانی کی حقیقت کو دریافت کرنا ہو تو علامہ فرماتے ہیں یہ حقیقت
کو لہکن کے دل سے پوچھ کہ دودھ کی نہر بہاؤ کھود کر لانے کی ذہن نے اس کو لاقالی بناد
علامہ فرماتے ہیں۔ زندگی کی تمنا ہو تو مردِ حق کی زندگی کی ضرورت ہے۔ چونکہ غلامی کسی فرد
کی ہو یا کسی معبودِ مجاہد کی یہ انسان کی زندگی کو ایک پانی کی چھوٹی سی نہر بنا کر رکھ دیتی اور حُر

آزادی زندگی کو بھرپور بنادیتی ہے غلامی کی لعنت ہو یا آزادی کا تحفہ زندگی میں عمل ہی سے ملتا ہے۔ علامہ ان ہی خیالات کو بانگ درا میں زندگی کا عنوان دیکر یوں ظاہر فرما رہے ہیں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے ؛ ستر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی !

زندگانی کی حقیقت کو بہن کے دل سے پوچھ ؛ جو ہے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی !

زندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب ؛ اور آزادی میں بھر پور ہے زندگی !

آٹھ کاوا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے ؛ گرچہ ایک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی !

قلم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حجاب ؛ اس زریاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی !

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے ؛ پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے !

صورت تمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم ؛ کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

بس یہ چیز بایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ عمل ہی انسان کو حیات اور زندگی بخشتا ہے اور عمل سے غفلت انسان کو موت سے ہلکا کر دیتی ہے۔ پھر علامہ بانگ درا میں فرماتے ہیں۔

جنش سے ہے زندگی جہاں کی ؛ یہ رسم قدیم ہے یہاں کی

اس رہ میں مقام بے محل ہے ؛ پوشیدہ قرار میں اجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں ؛ جو ٹہرے ذرا بچل گئے ہیں

بہر حال جس نے عمل جاری رکھا زندگی پائی جو عمل سے غافل ہو کر ایک جا ٹہرے بچل دیئے گئے فنا ہو گئے موت سے ہلکا ہو گئے

زندگی پانے کا ایک راز خدمت خلق اگر انسان کو زندگی پانے کی آرزو ہو تو اسکو خدمت خلق کو اپنانا ہوگا جس کے بارے میں علامہ جاتیئے لکھتے ہیں۔

یہی ہے عبادت ہی دین و ایمان ؛ کہ کام آئے دنیا میں انسان کے انسان اس لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں : —

شراب روح پر دے ہے محبت نوع انسان کی ؛ سکھایا اس نے مجھ کو مستیے جاں و سبورت

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے

میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

حیات جاوید ال کا راز یقین و محبت اور صداقت اگر انسان حجاز میں حیات جاوید ال کا راز علامہ یوں سمجھاتے ہیں۔

حیات جاوداں اندر یقین است ؛ رہ تھمیں وطن گہری بمیہ
ترجمہ ۱۔ زندگی جاوید کی خواہش ہو تو وہ یقین محکم کے حاصل کرنے میں ہے اگر تو نے وہم
راستہ اختیار کیا تو سمجھ تو مر گیا۔

علامہ زندگی کو ایک جہاد بتلاتے ہیں اس جہاد کو جیتنے اور زندگی کو حاصل کرنے کے
پتھاروں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اس کو یوں سمجھاتے ہیں۔

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم ؛ جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیر
ہو صداقت کے لئے جس دل میں شرم کی ٹپ ؛ پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کر

تحفظ خودی زندگی علامہ اقبال زندگی دائمی کا ایک راز خودی یعنی خود شناسی
الہی سے غافل نہ رہنا بتلاتے ہیں جیسا کہ فرمایا آقا در جہاں

نفس کا عرفان خدا کا عرفان ہے یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا ؛
بال جبریل میں فرماتے ہیں۔

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا ؛ مقام رنگ و بو کا راز پا جا
خودی کیا ہے راز درون حیات ؛ خودی کیا ہے بیداری کا مینا

نہ ہے ستارہ کی گردش نہ بازی افلاک ؛ خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت
ہو اگر خود نگر و خود گرد و خود گیر خودی ؛ یہ بھی ممکن ہے تو موت سے بھی مرتبہ

پھر علامہ اسرار بے خودی میں مزید وضاحت کرتے ہیں۔

۱۔ جست مردن؟ از خودی غافل شدن ؛ تو چہ پنداری فراق جہاں و تو
۲۔ زندگی ہر جانے خود بالین است ؛ از خیاباں خودی گلی چنداں است

ترجمہ (۱)۔ (۱) غافل، تو مرنے کو کیا چیز سمجھتا ہے۔ واصل خودی سے غافل ہونا یعنی
اور معرفت الہی سے غفلت ہی واصل موت ہے۔ اور یہی حقیقت میں مرنا ہے۔ کیا تو

معنی بدن سے جان کے نکل جانے کو سمجھتا ہے؟ نہیں بلکہ خودی سے آگاہی زندگانی ہے اور غفلت
(۲)۔ زندگی تو خود ہے ہر جگہ نمودار رہی ہے۔ زندگی کا راز خودی کے گلستاں سے پھول چلنے ہے ضربِ کلیم

حیات و موت نہیں التفات کے لائق ؛ نقطہ خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقام
خودی انسان کو زندگی بخشی ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ کے نقطہ نظر کی وضاحت ایک مستقل کتاب کی محتاج ہے۔
بخوف طوالت آسانہی کافی سمجھ کر اور علامہ کے نقطہ نظر سے زندگی اور موت کو دیکھ کر دوسرے پہلو کی جانب متوجہ ہو

دوسرا پہلو زندگی اور موت

یعنی غم، مصائب، حادثات ہی زندگی۔ خوشی، راحت، عیش و عشرت موت

یہ ایک فطرت انسانی ہے کہ انسان زندگی بھر کے لئے خوشی، عیش و عشرت، راحت ہی کو پسند کرتا ہے اور بقول علامہ اقبال — سر پر آ جاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہان

اشک بہم دیدہ انسان سے ہوتے ہیں رواں

انسان نہیں سمجھتا کہ یہ راحت، عیش و عشرت اس کو زندہ جاوید بننے نہیں دیتے بلکہ زندگی ہی کو موت میں بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ انسان مصائب کو آگ سمجھ کر گھبراتا ہے۔ یہ دراصل وہ آگ ہے جو انسان کی زندگی کو کندن بنا کر رکھ دیتی ہے۔ بقول علامہ ہر کوئی اپنے فقط نظر سے زندگی یوں تعریف کرتا ہے۔

کل تبسم کہ بہا تھا زنگانی کو مسگر ؛ شمع لولی گریہ غم کے سوا کچھ بھی نہیں انسان کو خوشی ہی کو زندگی جانتا اور غم میں موت کی سی گھبراہٹ محسوس کرتا ہے لیکن رسول خدا صلعم کے اور اللہ پاک کے ارشادات کچھ اس طرح ہیں :-

اپنے عظیم المرتبت صحابی سے خطاب ہو کر آقا نامدار صلعم نے ارشاد فرمایا "اے معاذ! عیش پسندانہ زندگی سے بچنا اس لئے کہ نیک بندے عیش پسندانہ زندگی نہیں گزارتے۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو بندہ کسی عیانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور کسی سے اظہار نہ کرے اور نہ شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے (طبرانی)

حضرت ابوالفضلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے "اے ابنِ آدم! اگر تو نے کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت ابتداء ہی میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں راضی نہیں ہوں گا کہ تجھے جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب دیا جائے (ابنِ ماجہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلعم نے فرمایا کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی اولاد اور مال پر بلائیں آتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے ہیں اور ان کی کوئی خطا باقی نہیں رہتی (ترمذی)

سیدہ بقرہؓ ۲۱۶ دینِ آیت میں اللہ پاک فرماتے ہیں "ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور

وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو وہی تمہارے لئے بُری ہو اللہ جانتا ہے نہیں جانتے۔ انسان خصوصاً نوجوان عارضی لذت کا شیدائی نظر آتا ہے جو دراصل اس کے لئے ایک تیر جال ہے جس میں جو اس زندگی کو ختم کر کے رکھ سکے ہیں اگر اللہ پاک ناواقبی خواہش کی جاتو کہ اس سے چھین لیتے ہیں تو ایک انسان خصوصاً نوجوان ایک لطف شیر خوار کی طرح چغٹا چلتا ہے۔ تو پروردگار عالم علامہ اقبال کی زبان میں اس سے یوں مخاطب ہوئے۔

میں نے جاتو تجھ سے چھینا ہے تو چٹا لہے تو ؛ ہر باں ہوں مجھے ناہر باں سمجھا ہے تو
 آہ! کیوں دکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیلا ہے ؛ کھل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بہ اندازہ ہے
 پھر علامہ ایک شیر خوار بچے اور ایک نوجوان کا تقابل خود کو نوجوان بتلاتے ہوئے اس لطف سے مخاطب ہو کر اس طرح کہ
 جب کسی شے سے بگڑ کر مجھ سے چلتا ہے تو ؛ کیا تماشا ہے روئی کاغذ سے من جاتا ہے تو
 آہ اس عادت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی ترا ؛ تو تلوں آشنا میں بھی تلوں آشنا
 عارضی لذت کا شیدائی ہوں چلتا ہوں میں ؛ جلد آجا جا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں میں
 میسر ہی آنکھوں کو بھال لیتا ہے حسن ظاہری ؛ کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی میری
 جن انسان کی زندگی بظاہر سر اپا عیش و عشرت کی شراب کے نشہ میں مجھو نظر آتی ہے مگر اللہ غمزدہ
 ہیں کہ ان کی ظاہری مسکراہٹوں اور دل کی عمیق گہرائیوں میں غم بھی پنہاں ہوتے ہیں۔
 گو سر اپا کیفِ شربت ہے شرابِ زندگی ؛ اشک بھی رکھتا ہے دامن میں سببِ زندگی
 موجِ غم میرقص کرتا ہے حبابِ زندگی ؛ ہے اللہ کا سورہ بھی جزو کتابِ زندگی
 علامہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی انسان کی زندگی کلفتِ غم سے نا آشنا ہے تو گویا زندگی کے راز سے اسکی آنکھ محروم اور زندگی کی رفعت اس سے چھپی ہوئی ہے۔

کلفتِ غم اگر اس کے روز و شب دور ہے ؛ زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے
 حادثاتِ غم سے ہے انسان کی فطرت کو کمال ؛ غاۓ ہے آئینہ دل کیلئے گردِ مہل
 انسان کیلئے تو رات دن حادثات اور مصائب بقول علامہ اسکو پرکھنے اور حیات و حیات کا راز سمجھانے آتے
 سلسلہ روز و شب نقشِ گردِ حادثات ؛ سلسلہ روز و شب اصل حیات و حیات
 سلسلہ روز و شب تارِ حریرِ درونگ ؛ جس سے بنائی ہے ذات اپنی قبا کے صفات
 سلسلہ روز و شب سازِ اقل کی فضاں ؛ جس سے دکھائی ہے ذاتِ زیرِ وہم کلکنا
 تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ ؛ سلسلہ روز و شب میر فی کائنات
 علامہ کا اعلان ہے کہ غم ہی انسان کو زندگی بخشا اور راحت کو علامہ دل کی روح کی موت مختصر ہے

کی ابدی موت سمجھتے ہیں علامہ کا نظریہ ہے کہ زندگی میں کلفتِ غم نہ ہو تو انسان زندگی کے حقائق راہ اور مقصد زندگی کے حصول ہی سے محروم ہو جاتا ہے باعزت یادگار زندگی حاصل کرنے کے لئے جو اصل راہ ہے وہ یہ ہے کہ مصائب کے کانٹوں سے الجھ کر زندگی گوارے کی اپنے میں عادت ڈال لینی چاہیے۔ آرام طلبی اور دنیا کے عیش و عشرت سے دور رہنا ہی ترقی کے آسمانوں پر پرواز کرنے اور زندہ رہنے اور زندگی کا ثبوت دینے کے راہ ہیں

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں ؛ تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کو نئے کی تو کرے
اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا ؛ جہانِ رنگ و بو سے قطع پہلے آرزو کرے

عیش و عشرت کی زندگی کی گرمائی ہوئی تھخیں جس میں حقیقی زندگی کا دھوکہ ہوتا ہے بقول علامہ یہ محفلیں جیسائی مدوحانی معاشی زندگی کو بھونک کر رکھ دیتی ہیں فرماتے ہیں۔

میں ان کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں ؛ جو گھر کو بھونک کر دنیا میں نام کرتے ہیں

وہ انسان جو غم سے نا آشنا ہے وہ نہ تو مردِ کامل بن سکتا ہے اور نہ روحانی جن کا اسے بلبل کہا جاسکتا ہے اگر انسان کی زندگی کا پہلو درد مصائب حادثات اور صبر سے بھگتا رہے تو گویا اس کی زندگی ایک جھٹکا ہوا گلاب کی ٹہنی ہے اگر ایک بھی اس کی زندگی کا پہلو غم سے نا آشنا ہے تو اس کی زندگی ایک مکمل گلاب کی ٹہنی میں نہیں آتی اور انسان کے دل میں غم کے جو داغ ہوتے ہیں وہی دراصل سینہ کے چراغ بن کر زندگی کا راستہ دکھاتے اور روح کو سامانِ زینت فراہم کرتے ہیں اس قلمِ بلند تخیلات کو علامہ یوں سمجھاتے ہیں۔

ایک بھی پتی اگر کم ہو تو وہ گل ہی نہیں ؛ جو خزاں نا دیدہ ہو بلبل وہ بلبل ہی نہیں
دیدہ بننا میں داغ چراغِ سینہ میں ؛ روح کو سامانِ زینت آہ کا آئینہ ہے

انسان کا دل کو دنیوی آرزوں کے خوں سے ایک خیالی گلہ سستہ اور تصویر ہی تصور میں ایک رنگین داستان بنا لیتا ہے مگر انسان زندگی کا لقمہ کھانا چاہتا ہے تو یہ لقمہ فحاشی میں مضمر و پوشیدہ ہے یہ فحاشی عیش و عشرت حقیقی کی سختیوں سے دوچار ہونے پر ہی نصیب ہوتی ہے گویا غم زندگی کو سنوارنے کے جرمِ لازم ہے بقول حضرت اقبال اگر دل کا طاثر حقائق کی یلینوں تک پرواز کا خواہاں ہے تو غم کے پر لگا کر پرواز کرنا ہی واحد حل ہے اور دل کی جلا اور دل کے انکشافات تو غم ہی سے حاصل ہوتے اور دل کو حقیقی سرور سے آشنا کرتے ہیں۔ علامہ ان خیالات کو یوں فرماتے ہیں۔

آرزو کے خوں سے رنگیں ہے دل کی داستان ؛ لقمہٴ انسانیت کامل نہیں غیر از فحاشی
طاثرِ دل کے لئے غمِ شہ پر چرواہا ہے ؛ راہ ہے انسان کا دل غم انکشاف کا راہ ہے
غم نہیں غم روح کا ایک لقمہٴ خاموش ہے ؛ جو سرورِ ربطِ ہستی سے ہم آغوش ہے

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر ؛ نغمہ ہے سودائے غم خون جگر کے بغیر !

علامہ کے نقطہ نظر سے زندگی پختہ سے پختہ تر ہوتی ہے تو گردشِ پیہم اور مصائبِ زمانہ جہیل کر اور ان کا مردانہ وار مقابلہ کر کے درحقیقت دوانی زندگی بنانے کا راز ہی مصائب اور تکالیف میں پوشیدہ ہے۔

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی ؛ ہے ہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

جوانی عیش و غم و ذوقِ طلب | انسان کی زندگی کا سب سے زیادہ خطرناک زمانہ اس کی جوانی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ وہ اپنی زندگی

کی قابلِ رشک عمارت کی تعمیر کر سکتا ہے جوانی کو لطفِ خواب سے صرف علامہ فرماتے ہیں غم ہی جگا سکتا ہے زندگی کو حسین نقموں میں تبدیل کرنا سو تو صرف یہ غم ہی کی بدولت ممکن ہے۔

غمِ جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب سے ؛ ساز پیدا ہوتا ہے اسی مفراب سے

جس شخص نے اپنی زندگی عیش و عشرت ہو یا ہاب میں بسر کر دی گویا اس نے اپنی زندگی کا کل گھونٹ دیا اور زندگی بایں بار سے محروم ہو گیا۔ طلبہ اعلیٰ گزہرِ یونورٹی کے نام بائگِ حرام ان جو جوانوں کو علمائے جوہیا زندگی دیا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں :

ادوں کا ہے پیام اور میرِ پیام اور ہے ؛ عشق کے درد مندوں کا طرزِ کلام اور ہے

آئی تھی کوہ سے صدا رازِ حیات ہے سکون ؛ کہتا تھا مودِ ناتواں لطفِ حرام اور ہے

موت ہے عیشِ جادواں ذوقِ طلب اگر نہ ہو ؛ گردشِ آدنی ہے اور گردشِ جام اور ہے

شمعِ سحر یہ کہہ گئی سوز ہے زندگی کا ساز ؛ غم کہہ بخود میں شرطِ دوام اور ہے

علامہ سمجھتے ہیں جب تک تو مصائبِ حادثات غم سے دوچار نہیں تو خالصاً کچھ نا پختہ صرف مٹی کا ایک انبار ہی

رہے گا۔ اور جب مصائب غم اور حادثات کی آگ میں جل کر تو پختہ ہو جائے تو پھر تو ایک شمشیر بنے رہا ہو

جائے گا۔ لہذا تو مصائب غم اور حادثات سے آشنا ہو کر تجھ میں جو زندگی کی قوتِ تھپی ہوئی ہے اس کو

آشکارا کر دے پوچھتے ہیں تو کب تک ایک چنگاری کی مثال رہے گا جسکی روشنی ایک لمحہ سیلے ہوتی ہے بلکہ تو

غم و مصائب سے آشنا ہو کر ہمیشہ کیلئے روشن ہو جا سنئے اندازِ بیاں

زندگی کی قوتِ پنہاں کو کر دے آشکارا ؛ تا بہ چنگاری فروغِ جادواں پیدا کرے

بھوک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار ؛ اور خاکستر ہے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

علامہ عارضی خوشی عیش و عشرت کے زمین و آسمان کو بھوک دینے اور مصائبِ حادثات سے نکل کر اپنی ایک زندگی

اپنے لئے ایک جہاں پیدا کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں یا بنگِ درمیں علامہ عشرتِ امر و زر کے عنوان کے تحت لکھتے

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیامِ عیش و سرور ؛ نہ کھینچ نقشہ کیفیتِ شادابِ ظہور

خزاقِ حور میں ہو غم سے ہم کنار نہ تو
محبہ فریفتہ ساقیِ جلیل نہ کر —
مقام امن ہے جنت مجھے کلام نہیں
شباب کے لئے موزوں تر پیام نہیں

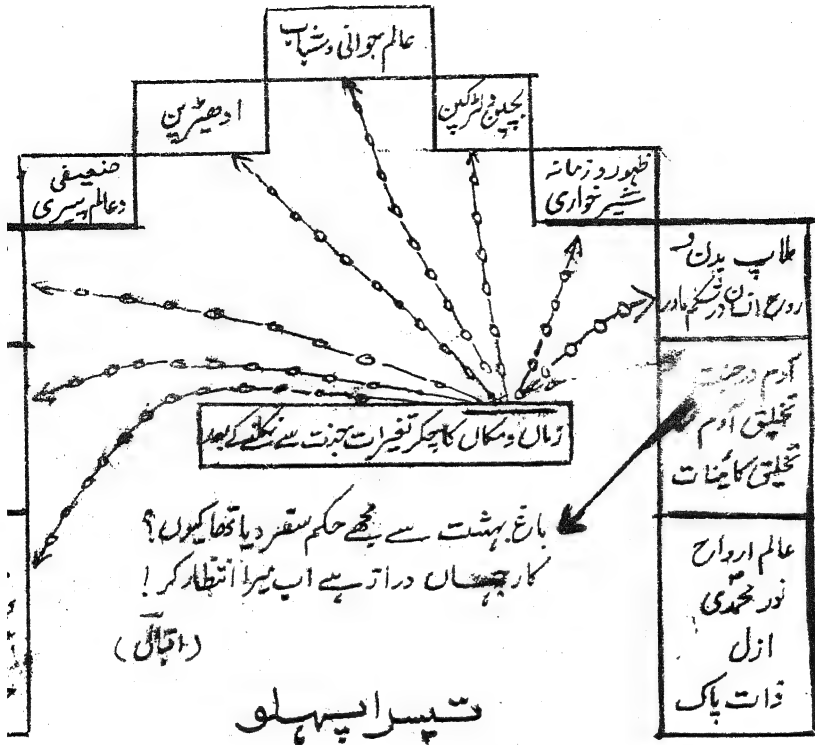
علامہ جوانی میں تصوراتِ عیش و عشرت لئے زندگی گزارنے کے قائل نہیں نہ عاشقی حور و تذکرہ سبیل میں
وقت گزارنے کے قائل ہیں علامہ کہتے ہیں جنت اس میں کوئی کلام نہیں کہ مقام امن و سکون ہے لیکن شباب
تو سکون کیلئے نہیں بلکہ مصائب اٹھانے جنت حاصل کرنے کیلئے ہے مفت کی جنت ہو کہ جو حکومت بلا محنت ملے اسکے
بائے میں فرماتے ہیں: — خریدیں نہ ہم جس کو اپنے ہو سے ؛ مسلمان کو ہے تنگ وہ بادشاہی
علامہ بانگِ درا میں نوائے غم کے عنوان کے تحت خود اپنی زندگی اور غم کا تعلق اس طرح بتلاتے ہیں۔

زندگانی ہے میری مثلِ ربابِ خاموش
جسکی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبرِ نوا خوش
بربط کون و مکمل جس کی خموشی پہ نثار
جس کے ہر تار میں ہیں سینکڑوں نغموں کے خزار
محشرِ ستارِ نوا کا ہے امیں جس کا سکوت
اور منت کش ہنگامہ نہیں جس کا سکوت
چھتر آہستہ سے دیتی ہے میرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے ہر روح گرفتارِ حیات
نغمہ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے
اشک کے قافلے کو بانگِ درا اٹھتی ہے
اے کہ نظم و ہر کارِ ادراک ہے حاصل مجھے
کیوں نہ آساں ہو غم و اندوہ کی منزل مجھے
حبِ طبع و رفتِ شبنم ہے مذاقِ رم سے
میری رفت کی بلندی ہے نوائے غم سے

علامہ کا یہ بانگِ دل اعلان ہے کہ جس کا دل شکستی غم سے نا آشنا ہے اور جو ہمیشہ عیش و عشرت کی شراب میں مست رہ کر
ہی زندگی بسر کرے ایسی زندگی جو خونِ جگر کے بغیر رنگین بنائی گئی ہو زندگی نہیں زندگی کا ایسا نغمہ جو خونِ جگر
اور مصائب کے بغیر پیدا ہوا ہو وہ نغمہ ایک سودا ہے نام ہے۔

جس کا جامِ دل شکستِ غم سے ہے نا آشنا
جو سدا مستِ شرابِ عیش و عشرت ہی رہا
ما تھ جس گلچیں کا ہے محفوظ لوکِ خار سے
عشق جس کا ہے خبر ہے، ہجر کے آزاد سے

علامہ فرماتے ہیں کہ مصائب اٹھانے کے بعد جو زندگی حاصل ہوتی ہے وہ اللہ پاک کو بہت عزیز ہے اور تمھارے
پتھروں سے جو دل کا آئینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے وہ حقائقِ اعظم کے نزدیک بہت ہی عزیز تر ہوتا ہے لہذا۔
تو بچا بچا کے نہ رکھ ترا آئینہ ہے وہ آئینہ ؛ کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں
بیس معلوم ہوا کہ حقیقی زندگی مصائبِ غم حادثات سے ملتی ہے عیش و عشرت موت سے ہٹکا کر دیتے ہیں اب ہم زندگی
کے اس پہلو پر آتے ہیں جو بدن اور روح کے ملاپ کا نام ہے اور بدن اور روح کی علیحدگی کو موت کہتے ہیں۔



فلسفہ زندگی اور موت اور علامہ اقبال

از رمی قرآن حکیم

یعنی بدن اور روح کا ملاپ زندگی اور بدن سے روح کی علی گڑ

عام ہم اور اک کے تحت زندگی سے مراد جسم
ملاپ اور موت سے مراد جسم سے روح کی
عام نظریہ انسانی کے تحت زندگی و مراد

موت اور زندگی کا ظاہری پہلو
بے بسی و عبرت

الصفات کے لائق اور موت ایک ناپسندیدہ ناگوار شے اور بقول علامہ اقبال قلبیہ

ایک جھٹکا ہوا کا نسا ہے۔ اس آسمان کے نیچے رہنے والا عام انسان موت کے راز کے بارے میں سوچنے میں مصروف رہتا ہے وہ زندگی گزارنے کو بہت ہی مشکل اور موت کے آنے کو بہت ہی آسان سمجھتا ہے۔ اس دنیا کے گلشن میں وہ دیکھتا ہے کہ موت ایک ہوا کے بھوکے کا اندازہ لگاتے آتے ہیں اور اپنی قوت کا اس انداز سے کرشمہ دکھا جاتی ہے کہ کبھی کبھی بلکہ ان گنت انسانوں کی زندہ گائیوں کے چھوٹوں کو حتیٰ کہ کیلوں کو بھی زمین پر گر کر اُڑنے کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ موت ایک سمندر ہے بہت گہرا نہایت ہی عمیق کہ دیکھنے کو تو سطح بہت ہی خاموش لیکن اندر اس کے بڑی ہنگامہ آرائیاں ہیں۔ اس موت کے سمندر کی موجیں کئی زندہ گائیوں کے حصّوں کو اس بیکراں گہرے عمیق سمندر کے آغوش میں ڈبو دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس قدر خاموشی تیزی اور بے اختیار کے عالم میں ہوتا ہے کہ انسان اپنی بے بسی کی اتہما پر نظر آتا ہے زندہ گائی اسکو ایک طوق گلو افشار کا روپ لئے نظر آتی ہے۔ موت کا شکاری اندھیرے اور تاریکی میں ایسا نہ لگا کر تیر جلاتا ہے کہ زندگی کا طائر آن کی آن میں موت سے ہلکار ہوجاتا ہے جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں۔ اَکَلْ نَفْسٍ ذَاتِ قُوَّةٍ مَوْتٌ - ہر ذی روح کو موت کا مزہ چھکانا ہے یا اَکَلْ مِنْ عَلَیْهَا فَاَنَّا ہر چیز کے لئے قتل ہے۔ علامہ اقبال ان ہی خیالات کو لئے یوں گویا ہو رہے ہیں :-

دشت و در میں شہر میں گلشن میں یراز میں	سکھیا افلاس میں دولت کے کاشانہ میں موت
ڈوب جاتے ہیں سیفنے موت کی آغوش میں	موت ہے ہنگامہ ساز قلمزم خاموش ہیں
زندہ گائی کیا ہے اک طوق گلو افشار ہے	نہ مجال شکوہ ہے نہ طاقت گفت ادب ہے
موت اک چھٹا ہوا کا ٹنڈل انسان میں ہے	تم تباہ و زار جزا اس گنبد گردوں میں ہے

بجائے تک موت کے تعلق سے بے بسی کا تعلق ہے علامہ اقبال اپنی والدہ کے انتقال پر کہتے ہیں :-

بمردہ مجبوری دے چا لگی تدبیر ہے	ذره ذرہ دہر کا زندائی تقدیر ہے
انجم سیلاب پارفتار پر مجبور ہیں	آسمان مجبور یہ شمس و قمر مجبور ہیں !
ہے کسی ربخیر عالم گیر میں ہر شکا سیر	نغمہ بلیبل ہر یا آواز خاموش ضمیر
خشک ہوجا ہے دل میں اشک کا سیر	آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر بخیر و عیاں
آنکھ میری ولید دار اشک عیاں نہیں	گر جو سر پر بارغ میں شبنم کی شادابی نہیں

جاتا ہوں آہ میں ملام انسانی کا راز
میرے لب پہ قصہ نیرنگی دوراں نہیں
پرتی تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائید ہے
موجِ دودِ آہ سے آئینہ ہے روشن میرا

ہے نواغے شکوہ سے خالی میری فطرت کا
دل میرا چرراں نہیں خنداں نہیں گریاں نہیں
آہ! یہ تردید میری حکمتِ محکم کی ہے
درد کے غرزاں سے عقلِ سنگِ دل شرمندہ ہے
کنج آبِ آدرس سے معمور ہے دامنِ میرا

یہ نہ تو ان کی بے بسی اور محرومی کا حال ہوا۔ زندگی اور موت کے تعلق سے علامہ نے جو عمیق فلسفہ بیان فرمایا ہے وہ آگے اپنے وقت پر آئے گا۔ ابھی تو ہم عبرتِ موت اور زندگی کے ظاہری پہلوئے بڑھ رہے ہیں۔ علامہ نے بانگِ درا میں ”سگورستانِ شاہی“ کے عنوان سے جو لکھا ہے وہ بڑا عبرتِ خیز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اقبال جب حیدر آباد تشریف لائے تھے تو انہیں ایک چاندنی رات میں ذریعہ موثر قطب شاہی بادشاہوں کے شاندار دلخراش خاموشی بے پناہ شکوت دبے بسی میں ڈوبے ہوئے گنبدوں کو دکھانے لے جایا گیا جہاں کے سماں سے متاثر ہو کر اولاً موت اور زندگی کے ظاہری پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔

عبرت

جنشِ مریکاں سے چہ چشم تماشا کو حذر
جو اتر سکتی نہیں آئینہ تحریر میں
مضطرب رکھتی تھی جہن کو آرزو نا صورت
جہن کے دروازوں پر ہوتا تھا جہن کی ترنگ
جہن کی تدبیر جہان بینی سے ڈرتا تھا ازوال
ٹل نہیں سکتی غنیمِ موت کی لور شہنشاہی
جادوِ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور
خون کو گرمانے والا نعرہٴ تکبیر کیا
دردِ مندانِ جہاں کا نالہٴ رنجش کیا
سینہٴ دیراں میں جہاں رفتہ آسکتی نہیں

مقبول کا شانِ حیرت افزا ہے اس قدر
کیفیت ایسی ہے ناکامی کھلا س تصویر میں
سوتے ہیں خاموش آبادی کے ہر گھاموں دور
قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک
کیا یہی ہے ان اشتہاروں کی عظمت کا سماں
دربِ نفوذی ہو دنیا میں کہ شانِ قیصر
بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حال ہے گور
عرصہٴ یکار میں ہر کامہ شمشیر کیا
غورِ شہنشاہی بزمِ طرب کی عود کی تقریر کیا
اب کوئی آواز سوتوں کو جگا سکتی نہیں

بے ثباتی و تغیر

زندگی انسان کی ہے مانتا سرغ خوش لڑا
آہ کیا آئے ریاض دہر میں ہم کیل گئے
لے ہوس خوں روکنا ہے زندگی بے اعتبار
چاند جو صورت گریہ کی ایک اعجاز ہے
چرخ بے انجم کی دہشت ناک صحت میں مگر
اک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار
خواب گاہ شاہوں کی ہے یہ منزل سراسر افزا
ہے تو گورستان مگر یہ خاک گردوں پایہ ہے

شاخ پر بیٹھا کوئی دم چھپایا اڑ گیا
زندگی کی شاخ سے ٹوٹے کھلے مڑ جھل گئے
یہ شرارے کا پتہ نہیں آتش سوار
پہنے سیمائی قبا نحو خرام ناز ہے
بے کسی اسکی کوئی دیکھے ذرا وقت سحر
ذوق جدت سے ہے ترکیب مزلحہ روزگار
دیدہ عجرت اخراج اشک گلگوں کر ادا
آہ اک برگشتہ قسمت قوم کا سراپا ہے

علامہ اقبال شاہی گورستان یعنی قطب شاہی گنبدوں میں بیٹھے ہیں تو انہیں
پہاڑ پر تلے گو لکندہ کے حصار اور چوٹی پر بالا حصار نظر آتا ہے جس پر بیٹھ کر بادشاہ وقت شام کو
شہر کا نظارہ کرتے تھے تو علامہ بے ثباتی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں :-

آہ! جو الگ نگاہ عالم گیر، یعنی وہ حصار
زندگی سے تھا کبھی معمور اب سنان ہے
اپنے مکان کہن کی خاک کا دلدادہ ہے
علامہ جب ہمسایہ تشریف لے گئے اور وہاں کی شاندار مسجد قرطبہ کی دیرانی دیکھی ایک طول اثرانگیز
وقت خیر نظم بال جبریل میں لکھ کر موتیوں کی بارش فرمائی اور بے ثباتی دنیا کیوں ظاہر فرمایا کہ
آئی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا

دوش پر اپنے اٹھائے سیکڑوں صدیوں کا بار
یہ نحوشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے
کوہ کے سر پر مثال پاسبان استاد ہے
کار جہاں بے ثبات، کار جہاں بے ثبات
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

مانگ در این فرماتے ہیں :-

زندگی انسان کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
اب چلے علامہ کے یہاں اشعار پڑھتے ہوئے موت اور زندگی پر سے پردے اٹھاتے آگے بڑھیں کہ
راز ہستی راز ہے جب تک کوئی خرم نہ ہو
ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی

دم ہوا کی موت ہے دم کے سوا کچھ بھی نہیں
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں
ہو دیکھتا تو دیدہ دل واکرے کوئی

ایک سوال حقیقتِ زندگی کو سمجھنے جو عام سطح پر ان کے ذہن میں آتا ہے تو اس کو علامہ اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

کوئی اب تک سمجھا کہ انسان
سیرالہ ہے بلوعلی کہ آیا کہاں سے میں
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے
ردی یہ سوچتا ہے کہ جادل کدھر کو میں
آئیے دیکھیں کہ ان آیا کہاں سے ہے اور جاتا کہاں ہے

آغاز زندگی

جہاں تک آغاز زندگی کا سوال ہے حدیثِ قدسی ہیکہ فرمایا آقائے نامدار صلعم نے (الشیخ کو جب مخلوقات و کائنات پیدا کرنے کا خیال آیا تو) اللہ نے اپنے نور سے نور محمدی پیدا فرمایا گویا یہ مخلوق کی زندگی کا آغاز تھا۔ پھر اس نور محمدی سے کائنات کو عالم وجود میں لایا، گویا نور محمدی ہی آغاز زندگی و باعث تخلیق کائنات ہوا۔ اب آئیے قرآن حکیم کی جانب۔

وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي
آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ
هُم عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ
بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى
شَهِدْنَا۔

اور جب کہ ترے رب نے بنی آدم سے ان کی پیٹھوں میں سے ان کی ذریت کو نکالا اور خود ان کے اوپر ان کو گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں، ہم گواہ ہوئے آپ ہمارے رب ہیں۔

گو ابھی جسموں اور ارواح کا ملاپ نہ ہوا تھا لیکن یہ بھی ایک زندگی تھی کہ ان ارواح سے سوال کیا گیا انہوں نے سنا اور صحیح جواب دیا۔ زندگی کے مادہ کے ظاہری روپ میں نظر آنے اور تخلیق کائنات کا جہاں تک سوال ہے سورۃ البقرہ میں ارشاد ہو رہا ہے۔

”وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کا ارادہ فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے۔“

اور آگے سورۃ البقرہ میں ارشاد ہو رہا ہے۔

”جب کسی بات کا حکم فرمائیے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جاوے فوراً ہو جاتی ہے (یعنی) ہر حال اللہ پاک نے انسان کو جسم اور روح کا ملاپ دیکر عالم ظہور میں لانے کے قبل

کائنات پیدا کرنے کا ارادہ فرما کے حکم دیا کہ (ہو جا) کائنات نور محمدی سے عالم وجود میں آگئی تو کیا جہان کے آنے کے پہلے مکان اور ضروریات کی تشکیل فرمائی جا رہی ہے۔ یہہ رافع رہے کہ کائنات نے پیدا ہو کر زندگی پائی لیکن بے کیف اور طور پر مقصد۔ ملائک یہہ عالم دیکھ کر محسوس کر کے اور بقول علامہ شائد کہہ رہے تھے :-

یہ کائنات ابھی ناقص ہے شاید ؛ کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون اسکی وجہ یہ تھی کہ آدم نے ابھی وہ زندگی نہ پائی تھی جو جسم اور روح کے ملاپ کا نام تھی۔ اب پھر قرآن حکیم سے استفادہ کی ضرورت ہے کہ سورۃ البقرہ میں تفصیل یوں ارشاد فرمائی گئی ہے۔

”جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب (آدم) بنانے والا ہوں بولے کیا ایسے کو نائب کریگا جو اسمیں فساد پھیلائے گا اور خون برسیاں کریگا ہم تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے“ (سورۃ البقرہ)

اب پارہ ۱۸ سورۃ المؤمنوں کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے فرماتے ہیں۔

”اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا۔“

اب علامہ حسام الدین فاضل علیہ الرحمہ نے بعد مطالعہ عمیق مٹی سے انسان کو بنانے کی تفصیل کو یوں منظم کیا ہے :-

حق نے جبریلؑ سے فرمایا زمین سے یہ کہو تو
سن کے یہ حضرت جبریلؑ زمین پر آئے
بولی انسان اگر تجھ سے بنیگا، جبریلؑ!
یہہ گنہ کر کے، جہنم کا جو ایندھن ہوگا
مجھ کو دوزخ کی نہیں، تاب کریں اب عاف
یہہ قسم سنتے ہی بس کانپ گئے درج آئے
حق تعالیٰ سے کیا عرض کہ اے اب جلیل
گئے میکائیلؑ دسرا نیل کے بعد دیگر
حکم حق سے جو گئے اس کے یہاں عزرائیلؑ
پیش کرنے پہ کہا حق نے کہ اے عزرائیلؑ

خلق انسان کیلئے دیدے ذرا سی مٹی
بولے ہے حکم خدا دے مجھے تھوڑی مٹی
ہو گی برباد، سمجھ لیجئے میری مٹی
ساتھ کج بخت کے، میری بھلی چلیگی مٹی
ہے قسم حق کی، جولی اپنے میری مٹی
ہاتھ خالی پھرے حائل نہی، کچھ بھی مٹی
دی زمین نے جو قسم میرے نہیں لی مٹی
قسمیں دیدیں جو زمین نے تو نہیں لی مٹی
وہ قسم دیتی رہی، جبر سے لے لی مٹی
جب قسم دی تھی زمین نے تو یہ کیوں لی مٹی

عرض کی حکم کے آگے نہیں کچھ چیز قسم : میں جو عاصی ہوں تو بر باد ہے میری مٹی
حق نے فرمایا، کیا قابض ارواح تمہیں : روحیں بھی اُسی کی جس طرح کہ آئی مٹی
ملک الموت اگر ہوں گے، یہ جبرئیل امین : زندہ انسانوں کو چھوڑینگے کہ چھوڑی مٹی
شک نہیں ہیں کہ ہوتا ہے وہیں دفن انسان : اس کی تخلیق میں شامل ہے جہاں کی مٹی
بہر صورت اللہ کا ارادہ غالب تھا فرشتوں کا معروضہ قبول نہ ہوا۔ اللہ پاک نے مٹی سے
آدم کو پیدا فرمایا۔ آئیے پھر قرآن حکیم کی طرف اور سورۃ البقرہ کی کو آنکھوں سے لگا لیجئے۔
ارشاد خالق اعظم ہو رہا ہے۔

”اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا
سوائے ابلیس کے کہ منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا اور ہم نے فرمایا اے
آدم تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو اور کھاؤ اس میں سے بے روک لوگ جہاں
تمہارا جی چاہے مگر اس بیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے
تو شیطان نے اس سے (یعنی جنت میں) انہیں لغزش دی اور جہاں سے تھے وہاں سے نہیں
الگ کر دیا اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک
وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔“

جیسا کہ قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہوا کہ شیطان نے آدمؑ کو وہ پھل مکروزیب سے
کھلا دیا جو بقرول علامہ اقبال غ۔ یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلوا تا ہے آدم کو۔ آدمؑ دھوا
زمین پر آئے اور ابلیس بھی پھینک دیا گیا۔ اب انسان کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے کرہ ارضی (زمین) پر۔

آغاز زندگی آدم کرہ ارض پر

جیسا کہ اللہ پاک نے آدمؑ کو دھوا اور ابلیس سے کہا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے
کا دشمن۔ تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں؟

کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

اب جو اشکال بالکل نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آدم و ابن آدم کو لوٹ کر پھر باغ بہشت میں جانے کس مدت کا انتظار کرنا ہو گا؟ جواب

ہر گاہ اس مدت سے مراد قیامت کے بپا ہونے تک کی مدت ہے۔

۲۔ دوسرا سوال جو ابھر رہا ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا سے لوٹ کر جانے کے بعد صرف باغ بہشت ہی انتظار کر رہا ہو گا یا دوسرا بھی کوئی مقام انسان کے لئے اللہ پاک نے پیدا فرمایا ہے۔ جواب یہی ہو گا کہ ہاں ایک اور مقام بہشت کے علاوہ اللہ پاک نے پیدا فرمادیا ہے جسکو جہنم کہتے ہیں اور یہ ٹھکانے لحاظ اعمال کے ہونگے اب حسب ذیل سوالات حل طلب رہ جاتے ہیں۔

۳۔ کیا جہاں کیا ہے جسکی تکمیل کے لئے آدم ابن آدم کو کرہ ارض پر رہنا ہے؟

۴۔ قیامت برپا ہونے اور منزل آخرت تک پہنچنے تک بعد مرنے کے انسان کی روح کو کہاں رہنا ہو گا؟ اب سوال نمبر ۳، ۴ کے لئے قدرے تفصیل میں جانا ہو گا کہ آدم حوا اور ابلیس زمین پر آسے آدم کی زندگی احساس گناہ آہ و زاری شرمندگی اعتراف گناہ اور مغفرت طلبی میں بسر ہونے لگی مگر ابلیس اپنی سرکشی پر نازاں اور سرکشی پر اٹل اور آدم کا دشمن بنا رہا۔ پھر کئی قرآن حکیم کی طرف سورۃ البقرہ میں اللہ پاک فرماتے ہیں۔

”پھر سیکھ لے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اسکی توبہ قبول کی بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا دہرا ہے“

اب ابلیس کے بارے میں سورۃ البقرہ جز ثانی رکوع (۲) میں فرماتے ہیں۔

”شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو۔ فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے وہ تمہیں یہی حکم دے گا بدی اور بے حیائی کا۔“ پھر سورہ بنی اسرائیل میں فرماتے ہیں۔ ”واقعی شیطان لوگوں میں فساد و الودایتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔“

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے توبہ آدم کی قبول ہوئی اور جیسا کہ اللہ پاک نے انسان کو پیدا کرنے کے قبل

فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں اللہ پاک نے آدم کو زمین پر اپنا خلیفہ و نائب بنا دیا۔

جیسا کہ انسان کو اللہ پاک نے اس قدر بلند مقام اپنا نائب بنا کر عطا فرمایا تو پھر وہی پرانی تاکید کہ اللہ کی فرمایا ہوئی کہ وہ

اور شیطان کے بہکاوے سے گریز کر کے راہ راست پر رہو ورنہ بروز قیامت حساب و کتاب ہو گا۔ بس یہی ہے کار جہاں جو انسان کے ذمہ کیا گیا کہ ایک طرف اللہ کے حقوق ادا کرے دوسری جانب بندگی

کار جہاں و مدت معینہ

کے حقوق میں بھی غفلت نہ برتنا۔ اور ان ہر دو صورتوں میں ابلیس کے بہکاوے میں نہ آنا اور اللہ پاک سے فرمادیا رکھو ص - مومن فقط احکام الہی کلمہ ہے پابند پھر قیامت کے بارے میں فرمایا۔

(۱) اس دن جس میں اٹھائے جائیں گے تو صورتوں کا جگہ کا تو نہ ان میں رشتے رہیں گے نزدیک دوسرے کی بات پر پہنچے گا۔ (پارہ ۱۸ سورہ المؤمنین)

(۲) اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ (کافر کے لئے) کوئی سفارش مانی جائے اور نہ کچھ لے کر (اسکی) جان چھوڑی جائے اور نہ ان کی مدد ہو۔

(سورہ البقرہ ص ۱۷)

(۳) تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا جس بات میں جھگڑ رہے ہیں (سورہ البقرہ ص ۱۷) بس معلوم ہو گیا کہ وہ مدت جس مدت تک انسان کو جنت کے قابل بن کر جنت میں بعد حساب و کتاب جانا ہے وہ مدت ہے قیامت کے پہنچانے تک کی مدت اور اس مدت کا صحیح علم اللہ پاک کو ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے مرنے اور قیامت کے آنے میں جو فاصلہ ہے اس وقت تک انسان کی روح کا قیام کہاں ہو گا جواب ہو گا "عالم برزخ میں" جسمانی حیثیت سے بعد میں بحث ہو گی اب دیکھتے ہیں کہ عالم برزخ کسے کہتے ہیں؟

لغت کے اعتبار سے برزخ کے معنی ہیں (۱) - آڑ - پردہ - روک

(۲) مخالف چیزوں کے درمیان کی چیز (۳) مصیبت اور آگرم کا

عالم برزخ

درمیانی درجہ (۴) مرنے کے بعد قیامت تک کا زمانہ (۵) وہ عالم جس میں مرنے کے بعد سے قیامت تک رہیں گی اب دیکھئے قرآن شریف میں اللہ پاک کیا فرماتے ہیں :-

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ پروردگار مجھے

واپس کر دیجئے۔ امید ہے کہ میں اس زندگی میں جس کو چھوڑ آیا ہوں نیک

عمل کروں۔ ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے آگے

ایک برزخ ہے اس دن تک اٹھائے جائیں گے دن تک۔ (۶: ۲۳)

مندرجہ بالا آیت ربانی سے برزخ کا وجود ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد سے ارواح قیامت تک عالم برزخ میں رہیں گی۔

انسان کی روحانی و جسمانی زندگی اور دیگر مخلوقات سے تقابل

عالم بالا (جنت) جسے لباسِ جنت اتار کر آدم کے اس کرواڑی پر آنے کے بعد انسان کی زندگی کے مذہب کو پہلو ہو گئے (۱) روحانی (۲) جسمانی — جسمانی حیثیت سے آدم کے عالم بالا سے اسی کرواڑی پر آتے ہی آدم مکاں و زمان کی قید میں جسمانی اعتبار سے گرفتار اور تغیرات قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پہلے ہم انسان کی روحانی زندگی کا ذکر کریں گے۔ پھر جسمانی زندگی اور تغیرات کا۔

روح | روح کے تعلق سے اللہ پاک قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

”اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔“ (پہا سورہ بنی اسرائیل رکوع ۷۵)

خلاق کائنات قادر المطلق کے حکم سے جو چیز بنام روح بنی ہے وہ اس قدر نایاب اور لا جواب ہے کہ یہ نہ لائق شکست ہے اور نہ فنا پذیر — نور محمدی سے تخلیق پاکر عالم ارواح میں اور عالم ازلح سے جسم خاکی میں اور جسم خاکی سے عالم برزخ میں اور عالم برزخ سے پھر بروز محشر جسم خاکی میں۔ صور بھونکنے پر کچھ دیر کے لئے عالم بخودی یا بپہوشی میں — بہر حال روح جو ہر انسان ہے اور روح کا طائر بقول علامہ

شکست سے یہ کہی آشنا نہیں ہوتا نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

جو ہر انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں آنکھ سے غائب ہے تو موتا ہے فنا ہوتا نہیں

قیل اسکے کہ ہم روحانی زندگی پر بحث کریں۔ ہیں مخلوقات قابل ذکر اور عالمین کا مختصر سا جائزہ لینا ہو گا۔

مخلوقات قابل ذکر | اللہ پاک کی آن گنت مخلوقات میں سے تین قابل ذکر مخلوقات جو عالمین پر اثر انداز ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

مخلوق نوری | وہ مخلوق جو نور سے پیدا کی گئی جس میں ملائکہ شامل ہیں اور جن کے عالم کو عالم ملکوت یا عالم جبروت کہتے ہیں۔ اس نوری مخلوق سے گناہ کا سرزد

ہوتا ممکن ہی نہیں وہ جذبات سے یکسر غاری ہیں۔ یاد رہے کہ انسان کی رسائی اس عالم تک نہ صرف ممکن ہے بلکہ انسان اس عالم سے اندر آگے نکل جاسکتا ہے۔ ملائکہ کو ہمیشہ عبادت و سجدہ ہی میسر رہتا ہے مگر انسان کی عبادت اور سجدہ کا مقام بقول علامہ اقبال ”وہ سوز و گداز اس قدر بلند ہوتا ہے کہ

پسند نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا اسکو میسر نہیں سوز و گداز سجدہ

جب انسان مقام نقبر پر پہنچ جاتا ہے تو اسکے انداز بقول علامہ ملوکانہ ہو جاتے ہیں کہ —

مخلوق ناری

گو فقر بھی رکھتا ہے انداز ملوکانہ : تاختمتہ ہے پردزی بے سلطنت پر دین
 وہ مخلوق جو آگ سے پیدا کی گئی جن میں اجنا شامل ہیں اور ابلیس
 اسی قبیل سے ہے جس سے نیکی کا سرزد ہوا ممکن ہی نہیں رہا۔ یہ
 ابن آدم کی زندگی کو مائل بہ شر کرنے کے لئے ہر وقت فتنے برپا کرتا رہتا ہے جیسا کہ بال جبریل میں
 علامہ اقبال لکھتے ہیں ابلیس جبریل میں سے مخاطب ہو کر خود اپنے اور اپنے فتنوں کے بارے
 میں کہتا ہے۔

ہے میری برأت سے مشتبہ خاک میں فرق نہو : میرے فتنے جاۓ عقل و خرد کا تار و پلو!
 دیکھتا ہے تو فقط اسل سے رزم خیر و شر : کون طوفان کے طپانچے کھارہا ہے؟ میں کہ تو
 حاضر بھی بے دست دیا ایساں بھی بے دست پیا : میرے طوفان یم یم دریا بہ دریا جو یہ جو
 گر کبھی خلوت میسر ہو تو پرچھو اللہ سے : قصہ آدم کو رنگین کر گیا کس کا ہنو
 میں کھٹکتا ہوں دل یرداں میں کٹے کی طرح : تو نقطہ! اللہ ہو! اللہ ہو! اللہ ہو!

مخلوق خاکی

مخلوق خاکی سے مراد آدم ہے جسکو خاک سے جیسا کہ تفصیل سے بیان
 کیا جا چکا ہے پیدا کیا گیا جو ایک انوکھی لچک کے ساتھ پیدا کی گئی
 مخلوق ہے جس سے نیکی کا سرزد ہونا بھی ممکن اور گناہ کا ارتکاب بھی ممکن اور جس کا تعلق روحانی
 اعتبار سے کئی عالمین سے ہے نہی آدم جب نیکیوں کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو نوری مخلوق یعنی ملائک
 اسکے مقامات کی بلندیاں دیکھ کر حیران و پریشان ہو جاتے ہیں اور جب یہ خاکی بدی کی طرف مائل ہوتا
 ہے تو ابلیس کو بھی مات دے دیتا ہے بقول علامہ اقبال ابلیس پریشان ہو کر باگواہ ایندنی میں یوں
 غصن کرتا ہے کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے : پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کف خاک
 جان لاغرو تن فریہ و ملہوس بدن زریب : دل نزع کی حالت میں خرد و خجستہ و جالاک
 جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست : باقی نہیں اب میری ضرورت مگر اعلاک
 علامہ اقبال خاکی فہمی اور ناری مخلوق کے فرق کو یوں سمجھاتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی : یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری
 پس معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی خیر و شر دونوں سے متاثر ہو سکتی ہے اب یہہ اختیار اللہ پاک نے انسان
 کو دیا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر خیر ہی خیر بن جائیں یا ابلیس کا دامن تھام کر شر ہی شر ہو جائیں
 اگر انسان خیر ہی خیر ہو جائے تو اس عالم کے علاوہ اور کن کن عالمین سے تعلق ہو جائے گا تفصیل کے لئے ہم پہلے عالمین کی مختصر
 تفصیل بیان کرتے ہیں۔

عالم ارواح : وہ عالم جس میں اللہ پاک نے قبل پیدائش تمام ارواح جو قیامت تک عالم وجود میں جسم کے ساتھ آئے والے تھے جمع فرمایا اور دریافت فرمایا کہ کیلئے تمہارا رب نہیں ہوں؟ ارواح نے جواب دیا ہاں آپ ہمارے رب ہیں ہم گواہ ہوئے۔

عالم بالا۔ عالم علوی { بہشت کے اعلیٰ درجہ کے رہنے کی جگہ آسمانی دنیا جہاں
عالم پدس { اولاً آدمؑ و حوا کو رکھا گیا تھا

عالم کرہ ارض (دنیا)
عالم صغریٰ (صغیر) ۱۔ دنیا۔ ۲۔ آدمی کا جسم
عالم سفلی (دنیا۔ زمین)
عالم خالی دیہ دنیا جو فنا ہونے والی ہے
عالم کون و فساد (موجود ہونا اور پھر تباہ ہو جانے کا عالم عالم بودنی نابودی)
عالم اسباب دیہ دنیا جہاں ہر کام کا ایک سبب ہوتا ہے
عالم ناسوت (فانی دنیا)
عالم وجود (وجود میں آنے کا عالم، عالم ہستی)

وہ عالم جہاں حضرت آدمؑ
حضرت حواؑ اور ابلیس کو
پہل منعہ کھانے کے بعد
مدت معینہ گزارنے روانہ
کیا گیا یعنی یہ دنیا
جہاں اب ہم ہیں۔

عالم رویا : (خواب کا عالم) اس عالم میں اس طرح پہنچ جاتا ہے تفصیل آگے آئے گی۔
عالم مثال : (اس جہاں سے زیادہ لطیف دنیا) جس میں یہاں کی تمام چیزوں کا نمونہ یا اصل
موجود ہے۔ خیالی دنیا۔ خواب۔

عالم ملکوت (فرشتوں کی دنیا)
عالم اسرار (عالم ملائکہ عالم ارواح یا رحوں کا
جہاں جیسے تول اور اندازہ
کو دخل نہ ہو۔

بندہ مؤمن سرفراز کند
نہ کر تعلیدے جبریل میر جذب و مستحکم
عالم جبروت (فرشتوں کی دنیا وہ مقام جو ستاروں سے بھی اوپر ہے۔

اسی روز و شب میں الہم کرنے رہ جا
سختوں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
بازگ اور ہر گشت را بر ہم زند
تن آسان عرشوں کو ذکر تسبیح و طواف ادا
کو ترے زماں و مکاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

عالم لاہوت : (ذات الہی کا مقام جہاں سالک کو فنا فی اللہ حاصل ہوتا ہے) ان ان انبیاء و عابدین شہید اسکے روپ کے علاوہ صالحین کے روپ میں کبھی دلی کبھی مجذوب کبھی سالک فقیر درویش قلندر قطب ابدال غوث کے روپ میں عالم لاہوت کا طائر بن کر اس عالم سے نیست پیدا کر لیتا ہے بقول علامہ اقبال :

میں بندہ ناپسند ہوں مگر شکر ہے حرا ؛ رکھتا ہوں نہانچا نہ لاہوت سے بیہود
حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تجلیات میں ؛ میری نگاہ سے خلل تری تجلیات میں

عالم شہود : وہ عالم جس میں سب کچھ نظر آئے۔ تصوف کا وہ عالم و حالت جس میں ہر چیز کے اندر خدا کا جلوہ نظر آئے۔ مقام منصور کہ انا الحق زبان سے نکل جائے۔

عالم معنی : (وہ دنیا جو محسوس نہ ہو سکے۔ خدا کی ذات و صفات)

نظر اللہ پر رکھتا ہے مسلمان غیور ؛ موت کیا شے ہے نقطہ عالم معنی کا سفر (اقبال)
عالم مٹھو : ۱۔ ظاہری طور پر کچھ نہ کہنے کے لئے قبرستان یا وہ سنسان جنگل یا صحرا جہاں ہو کا عالم نظر آئے۔
۲۔ اللہ مٹھو کا وہ منزل آجائے کہ انسان فنا فی ہو کر ہو جائے اور ایسے زمانہ میں

داخل ہو جائے جہاں ۔

ترے شب و روز کی اور حقیقت کیا ہے ؛ ایک زمانہ کی روحیں دن ہے نہ رات (اقبال)
۳۔ صورت پھونکے جلنے کے بعد جب کوئی ذی روح باقی نہ رہے نہ آسمان نہ عالم معنی

بلکہ ہو کا عالم ہو جائے گویا ۔

زندگی سے تھا کبھی معمور اب سنسان ہے ؛ یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے (اقبال)
عالم برزخ : تفصیل آگے آئیگی ۔

عالم آخرت یا ک { دنیا جو بے زوال ہو ۔ اگلا جہاں جہان آخرت، عقیلہ

عالم جاوید
وہ فرایض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات ؛ جلوہ گا ہیں اس کی ہیں لاکھوں جہانے ثبات
مختلف ہر منزل کی رسم و راہ ہے ؛ آخرت بھی زندگی کی ایک جولان گاہ ہے
ہے وہاں برہم کشت اجل کے واسطے ؛ سازگار آب دہوا تخم عمل کے واسطے

(اقبال)

انسان کی روح کی پرواز اور اس کے جسم کا حصہ

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے انسان کی روح دائمی حیات کی مالک ہے لیکن یہ روح کا طائر جسم خاکی کے پیجرہ میں عارضی طور پر ایک خاص مدت کے لئے اس دنیا میں مقیم کیا جاتا ہے اور یہ مدت بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ چند اصول کے تحت اس طائر روح کی پرواز ناقابل تہیاء حد تک ایسی بلند ہو جاتی ہے کہ وہ عالم امر ملکوت عالم جبروت کو پار کر کے عالم شہود عالم مغی اور عالم لاہوت کا طائر بن جاتا ہے۔ مگر یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ روح کی پرواز کیلئے جسم کے دخل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ روح کی پرواز کا دار و مدار قلب کی جلا کسب حلال اور احکام خداوندی میں مضمر ہے بقول علامہ اقبال۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کو تا ہی

میرے پیر و مرشد محدث دکن ابوالحسنات سید شاہ عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علاج السالکین کی کتاب میں اس مسئلہ پر خاطر خواہ روشنی ڈالی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائب پیران کبار کو قلب کے طبیب بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کے قدم پر قدم چل کر قلب کی بیماریوں سے شفا ممکن ہے اور تفصیلی طریقہ بھی ذریعہ ذکر درج فرماتے ہیں حدیث شریف کے لحاظ سے جو ذکر الہی سے غافل ہے وہ مردہ ہے اور جو ذکر الہی میں مشغول ہے وہ زندہ ہے۔ دل کی بیماریوں کی استواء التلباک کی نافرمانیوں سے ہوتی ہے اور نفس امارہ کا غلبہ قلب کو بیمار کر دیتا ہے جس طرح ایک تنگ و تاریک گندہ مکان میں رہنے والا مکیں بیمار ہو جاتا اور ہمیشہ بیمار رہتا ہے اسی طرح جس جسم میں ایک بیمار قلب ہو گا گندگی ہوگی اس جسم میں قیام پذیر روح بھی بیمار اور کمزور رہے گی حضرت قبلہ محدث دکن علیہ الرحمہ کی کتاب علاج السالکین کا مطالعہ قلبی امراض کو دور کرنے اور روح کو طاقتور بنا کر اسے پرواز کی طاقت بخشنے کی سر ثابت ہو گا۔ بشرطیکہ بعد مطالعہ عمل بھی ہو۔

مرد خدا اور مرد مومن کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ اس کے جسم میں ایک صحت مند

قلب ہوتا ہے اور روح بیمار اور کمزور نہیں بلکہ صحت مند قوی طاقتور بلند پرواز کی حامل ہوتی ہے۔
بقول علامہ اقبال اسکی قوت ایمانی اسکو آواز دیتی ہے۔

تو خاک کی مٹھی ہے اجزاء کی حرارت سے

برہم ہو، پریشاں ہو، وسعت میں دیایاں ہو

اب ہم دوسری طرف چلتے ہیں۔ مردِ مومن اپنے روحانی منازل طے کرتا اپنی حسبِ حیثیت مطابق نظرِ بڑھتا ہے کبھی ترک جاتا ہے تو جذب کے مقام پر نظر آتا ہے کبھی آگے بڑھ کر جذبِ سالک کے مقام پر نظر آتا ہے کبھی تطب و قوت کی شان لئے کبھی ابدال کا روپ لئے کبھی غوث کا مقام لئے نمودار ہوتا ہے۔ کبھی عرفان کی منزلیں طے کر کے عارف بن جاتا ہے کبھی فقر کی منزل پر فائز نظر آتا ہے کبھی ترک ترک کر کے کمالِ عرفان اور حیرانِ فقر و فقیری پر اس بھی نشان کے شان کے ساتھ نظر آتا ہے کہ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ انکو ۱
کبھی قلندر کی کاروپ لئے احترامِ شریعت، بجالتے ہوئے ہونٹوں کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بقول اقبال یہ کہتا ہے۔

شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوقِ تکلم کی ۲
پھر احترامِ شریعت میں یہ انداز اختیار کرتا ہے کہ :-

پیرا مہن جنوں سے تنِ عشق ڈھک لیا ۳
بھیا کہ ”تذکرہ غوثیہ“ میں قلندر غوث علی شاہ کی زبان میں کہا گیا ہے کہ ”فقیری ایک بات ہے کان میں کہنے کی“۔ بہر حال فقیری اور قلندری کے ابتدائی مرحلوں پر جنوں سامانیوں اسے بقول علامہ اقبال اس طرح مائل یہ شکوہ بھی کر دیتی ہیں۔

تو ہی خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ ۴
اپنے لئے لامکاں میرے لئے چار سو! ۵
پھر وہ علامہ اقبال کی زبان میں اللہ پاک سے کہتا ہی جاتا ہے۔

یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو ۶
ذرا سا تو دل ہوں بگر شرخ اتنا ۷

پھر وہ منزلِ آخر آتی ہے کہ طائرِ لاہوت بن کر منزلِ مقصود تک پہنچ ہی جاتا ہے۔ ترکِ مولا کی منزل پر پہنچ کر شمس تبرینہ اور منصور کے روپ میں قسم بادی اور انا الحق کے لرے لگاتا ہے۔

یعنی بقول اقبال -

تھا ضبط بہت مشکل اس سبب موانی کا ؛ کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر
ہزار خوف ہر لیکن زبان ہوں کی رفت ؛ یہی رہا ہے ازل سے قلندوں کا طریق
یہ ہے خلاصہ علم قلندری کہ حیات ؛ خدنگ جستہ ہے لیکن کمال دہنیں
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر ؛ مگر اس کا انجام بھی علامہ اقبال فرماتے ہیں
عشق کا دعویٰ ظاہری موت سے ہنگامہ کر دیتا ہے تو دنیا والوں کی زبان میں :

منصور کو ہوا لب گویا پیام موت ؛ اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
یہ سب منزلیں بقول علامہ اقبال قلندر پر اسے آتی ہیں کہ

قلندر جز در حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا

آخر قلندری کے اس اعلیٰ ناقابل قیاس بلند مقام پر ان شرک ترک کر کے پہنچ جاتا ہے جس کے
بارے میں حضرت ابوعلی شاہ قلندرز فرماتے ہیں -

سر پر چھوئے ستم دادم کلاہ چار ترک ؛ ترک دنیا ترک عقبے ترک مولا ترک

ان جب عشق کے پر لگا کر جب اڑتے تو ترک دنیا ترک عقبے ترک مولا کی

منزل قلندر کے لئے عالم لاہوت کی منزل ہوتی ہے - عالم لاہوت پہنچ جانے پر پھر مولا کو
طلب کرنے کا سوال ہی کب باقی رہ جاتا ہے اب اس کے لئے طلب کرنے باقی ہی کیا ہے جو
اسے نہیں ملا لہذا وہ ترک ترک کی انتہائی بلند عالم میں ہوتا ہے - ان کے لئے صرف یہی
ایک دنیا نہیں ہے جسمیں وہ نظر آتا اور رہتا ہے - اسکو الجھ کر نہیں نہیں رہ جاتا ہے بلکہ
اس عالم سے نکل کر کئی عالمین سے گزر کر عالم لاہوت تک اسکو پہنچنا ہے علامہ اقبال یوں سمجھاتے
ہیں -

اسی روز شب میں الجھ کر نہ رہ جا ؛ کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ؛ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

تجی زندگی سے نہیں یہ نصائیں ؛ یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر ؛ بچن اور بھی آشتیاں اور بھی ہیں

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا ؛ ترے سانسے آسماں اور بھی ہیں

ان باتوں کو سمجھنے کے لئے اس حدیث شریفہ کو جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے گود لین

بسانا اور آنکھوں سے لگانا ہوگا۔

(قال حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم دعائين فاما احدهما شبيشه فيكم كراما الاخر فلسو بشبهه قطع هذا العلوم يعني مجرى العام رواه البخاري)

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تھیلیاں (علم) یاد کیں۔ ایک کو میں نے تم میں پھیلا دیا اور اگر میں دوسری کو تم میں پھیلاؤں تو میری رگ گردن کاٹ دی جائے۔ اس معلوم ہو گیا کہ عرفان کی منزلیں درویشی فقیری قلت دری بڑے جنط کی منزلیں ہوتی ہیں مگر موت ہی بڑی بلند دہالہ۔ اور یہی وہ منزلیں ہوتی ہیں جبکہ ایک مرد مومن یہ منازل طے کر لیتا ہے تو علامہ اقبال حقیقت حال کا یوں انکشاف کرتے ہیں۔

عالم ہے نقطہ مومن جاننا کی میراث : مومن نہیں جو صلا لولاک نہیں ہے
جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی : میرے کلام یہ حجت ہے نکتہ لولاک

بعض نا سمجھ لوگ کہتے ہیں کہ علامہ اقبال کا مرد مومن ایک خیالی مرد مومن ہے جو اس زمین پر زندگی گزارنے آیا ہی نہیں اس سلسلہ میں ہم تاریخ اسلام کا ایک ناقابل انکار واقعہ پیش کرتے ہیں۔ مکہ فتح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے نیچے کے سب بٹ توڑ دیے اور جرئت ادبچائی پر تھے حضرت علیؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلعم! میرے کندھوں پر سوار ہو کر بٹ ادبچائی کے توڑ دیجئے" رسول خدا صلعم نے فرمایا "علی! تم نبوت کا بلوچہ نہ اٹھ سکو گے۔ تم میرے کندھوں پر سوار ہو جاؤ اور بٹ توڑ دو"۔ بہر حال آقائے نامدار صلعم کو ایک مقام اعلیٰ حضرت علیؓ کو بخشنا تھا مگر حضرت علیؓ کے لئے ادب مانع ہوا لیکن حکم فریت رکھتا تھا تعمیل حکم میں حضرت علیؓ دوش نبوت پر کھڑے بت توڑنے میں مصروف ہو گئے۔ لب ہائے رسالت مآب صلعم تبسم زیر ہوئے آواز دی "علی! حضرت علیؓ نے جواب دیا "یا رسول اللہ! نبی برحق صلعم نے پوچھا "علی! تم کیا دیکھ رہے ہو؟" حضرت علیؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس رقت میں دیکھ رہا ہوں کہ کائنات میرے دست قدرت میں ہے۔ میں جس چیز کو چاہتا ہوں بآسانی لے سکتا ہوں" پھر حضرت علیؓ جب بتوں کے توڑنے کے کام سے فارغ ہو کر دوش نبوت سے نیچے اترے تو حیرت سے فرمایا "میں اس قدر بلندی سے نیچے آیا مجھے نہ کئی مار نہ چوٹ نہ زخم" آقائے صلعم نے فرمایا

اے علی! تمہیں کوئی نقصان کیسے پہنچا جبکہ محمدؐ نے تمہیں اٹھایا اور جبریلؑ نے بہ انداز ادب احتیاط سے تمہیں اتارا۔“

شاہان دنیا کی جانب سے جب کوئی مقام و عطیہ عطا کیا جاتا ہے تو واپس نہیں لیا جاتا کیا مقام عطا کردہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ کے لئے دائمی نہیں ہوتا؟ یہ حال اللہ کے رسول صلعم نے بعد تربیت ایسے مقامات اپنے کئی غلاموں کو عطا فرما دیئے۔ علامہ اقبالؒ کے مندرجہ بالا اشعار حقیقت پر مبنی ہیں کہ ہمیں اب آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبالؒ اس دنیا میں رہنے والے مرد مومن کو نصیحت کرتے ہیں :-

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
مکہ ترے زماں و مکاں اور بھی ہیں

اب مقام اعلیٰ ایک عبد اعلیٰ کا کیا ہے وہ بھی ملاحظہ طلب ہے۔ جس سے انسان کا افضل ملائکہ اور تمام مخلوقات سے افضل ہونا اور اس کی زندگی کا مقصد اعلیٰ کا انہار ہوتا ہے اور یہ واقعہ ہے شب و صبح کا جو ظاہر کرتا ہے کہ عبد اعلیٰ کا وہ مقام ہوتا ہے کہ ان کی آن میں مکان و زماں کی زنجیریں توڑ عالم صغریٰ عالم سفلی عالم اسباب عالم کون و فساد کو قدموں تلے روندنا عالم جبروت عالم امر عالم غیب عالم مثال کو بجلی کی تیزری سے بھی زائغ تیزی سے طے کرنا اور ان پر ایک نظر غلط ڈالتا مقام اصلی یعنی عالم لاہوت پھر کسی تک اپنے جسم مبارک کے ساتھ پہنچ جاتا ہے جہاں خالق اور مخلوق میں فاصلہ ہی نہیں رہ جاتا۔ نور ابدی نور اولین سے توسین کی طرح نحو ملاقات ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے اور تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس دنیا میں خدا کا دیدار ہونی نہیں سکتا۔ حضرت موسیٰؑ کا اصرار ”انی“ اللہ پاک کا جواب ”لن تروانی“ مگر تکرار ”ارنی“۔ جواب میں تجلی کی ہلکی سی جھلک۔ موسیٰؑ کی بیہوشی۔ کوہ طور کا انہار پھر چہرہ موسیٰؑ پر نقاب کہ راست بلا نقاب جس نے چہرہ موسیٰؑ دیکھا اندھا ہو گیا لہذا نقاب چہرہ پر چھوڑ دیا ہو گیا کہ حضرت موسیٰؑ تجلی الہی اپنے میں اتار دے سکے اب دیکھئے عبد اعلیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم کہ جب تجلی و دیدار اس دنیا میں ممکن نہ نظر آئی تو عالم بالا عالم مثال لاہوت وغیرہ کو طے کر یہہ عبد اعلیٰ عالم لاہوت ہی نہیں کسی تک پہنچ کر صرف ملاقات ذات باری ہے وہ بھی تجلی کامل میں محو ہو کر۔ طرف بھی وہ طرف کہ اللہ اکبر۔ تجلی کامل سما گئی اس نور اولین میں مگر جنبش کا نام نہیں

علامہ اقبالؒ بانگ درا میں نقشہ لیں اس واقعہ کا کچھتے ہیں کہ :-

عبد اعلیٰ و مقام اعلیٰ و تجلی کامل بصورت معراج مصطفیٰ صلعم

ہر دو جہاں میں ذکر حبیب خدایہ آج : ہر ذرے کی زباں پر صلّ علی ہے آج
معراج مصطفیٰ سے کھلا عقدہ حیات : روح نبی میں جلوہٴ ردتِ خلیہ آج
”توسین“ میں ثبوت ہے اس جذبِ شوق کا : ہر لمحہ ذکر و فکر میں درسِ بقا ہے آج
وہ بزمِ ناروہ گلِ دلبیل کی خلوتیں : الفت میں امتیازِ من و تو فنا ہے آج
اک جست ہی میں طے ہیں عالم کی وسعتیں : اور رشتہٴ زمان و مکال کٹ گیا آج
طاہرِ حریمِ قدس کے سب نقہٴ سنج ہیں : روحِ الایں بھی شوق میں مد سہا ہے آج
جو منتظرِ اول سے تھا اس کے قدم کا : بہر نبی وہ گیند بے در کھلا ہے آج
سوریں خوش آمدید پکاریں بہشت میں : باز ریشِ نابہٴ عرش صدامِ جبابہ آج
یہ رات وہ ہے جس پر کرے رنگِ کافور : سایہٴ ہر ایک سایہٴ بالِ ہلہلہ آج
عشقِ نبی میں قبلہٴ نامے ہوں بے نیاز : نورِ یقین سے قلب ہی قبلہٴ نامے آج
اقبال آکر پھر اسی چوکٹ پہ جھک پڑیں : آغوشِ رحمت اس کی طرح دلا ہے آج
ایسے کوئی شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام بہت اعلیٰ ہے مگر جہاں تک معراج مصطفیٰ صلعم کا
سکا تعلق ہے علامہ فرماتے ہیں :-

اڑ بیٹھ کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم : طاقتِ ہودید کی تو تقاضا کرے کوئی
پھر رسول اللہ صلعم کے الشد پاک کے دیدار کرنے کا انداز علامہ اقبال بیان کرتے ہیں کہ دیدارِ
الہی میں پلک تک نہیں چھو پکی۔

نظارے کو جنبشِ ضررِ گماں بھی بار ہے : نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی
اللہ - عاشقِ محمد - محمد عاشقِ اللہ - محمد کی نظریں اللہ انتہائے حسن اور اللہ کی نظر میں محمد
انتہائے حسن یعنی نورِ ابدی اور نورِ اولیٰ کی ملاقات اور دیدارِ طرفین گویا ایک دوسرے کو کہہ رہے ہیں۔
میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن : دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
دیدارِ الہی کا جہاں تک تعلق ہے مقاماتِ موسیٰ اور مقاماتِ محمد قابلِ غور ہیں۔ مقاماتِ
موسیٰ اعلیٰ درجہٴ مقاماتِ محمد تا بالِ قیاس موسیٰ کو حق تھا و دیدار کے لئے اللہ سے تقاضا
نے کا ارنی کی تکرار کا مگر جہاں تک ہمارا سوال ہے علامہ کہتے ہیں۔

تھا اُن کو کب تک میں اُن کی گونہیں ؟ اس کو تقاضا روا مجھ پر تقاضا حرام !
 مگر غلامانِ محمدؐ نے اپنے نبی محترم صلعم کے توسط سے وہ وہ مقاماتِ صالحین پاۓ ہیں کہ اسی کرۂ
 ارض پر رہ کر دلی قطبِ ابدلِ خوش فقیروں و شیخوں کے روپ میں ان کی عالمِ لاہوت تک
 پہنچ ہو گئی تو صدیقین و شہداء کے مقاماتِ اعلیٰ کا تو ذکر ہی کیا جو بعد از مقامِ انبیاء ہیں۔
 خراب کہا علامہ اقبالؒ نے :-

قطرت نے نہ بجھا تجھے اندیشہ جالاک ؟ رکھتی ہے مگر طاق پر دواز میری خاک !
 وہ خاک کہ ہے جس کا جزا مستقل اور اک ؟ وہ خاک کہ جبرئیل کی ہے جس کا پاک !
 وہ خاک کہ پروائے شمیم نہیں رکھتی ؟ چنتی نہیں بہائے چمن سے خس و خاشاک !
 اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو ؟ کرتا ہے چمک جن کی ستاروں کو غناک !
 انسان کی روح کی پیدائش اسکی حیات اور اسکی پرواز کن کن عالمین میں ہے مختصر ہی سہی بیان کی گئی
 آدم اور ابنِ آدم کے ان مقاماتِ اعلیٰ سے ملائک واقف نہ تھے اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا تھا کہ تم
 نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ اب عالمِ رویا پر قدرے روشنی ڈالیں گے۔

عالمِ رویا یعنی نیند و خواب کی دنیا اور نیند اور موت میں فرق

ہم نے عالمین اور روح کی ان عالمین تک پرواز و پہنچ کے تعلق سے مختصر سی بحث کی اب
 عالمِ رویا پر مختصر سی روشنی ڈالنے کے بعد انسانی جسم کی پیدائش اور اسکی حیات و ممات کی جانب
 پلٹ جائیں گے۔

عالمِ رویا وہ عالم ہے جس کا اس کے کرۂ ارض پر رہنے والے انسان کا سابقہ رہتا ہے۔ یہ
 تو علمِ فہم یا تہ ہے کہ روح اور جسم کے باہمی تعلق کا ختم ہو جانا یعنی جسم سے روح کے نکل جانے کی
 عام طور پر موت کہتے ہیں۔ نیند میں بھی روح جسم سے نکل جاتی ہے تو اسکی کیا نوعیت ہوتی ہے
 قابلِ غور ہے پہلے ہم قرآن حکیم سورہ مزمل (پارہ ۲۴ ص ۱۸) سے دیکھ لیں کہ

”اللہ جاذبی کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت یعنی روح قبض کرتا ہے اور
 اور ان کی جن کی موت نہیں آتی ان کی سوتے وقت روح قبض کرتا ہے۔ پھر جس پر موت
 کا حکم فرمادیا ان کی روح روک رکھتا ہے یعنی اس جال (روح) کو اس کے جسم کی طرف پس
 نہیں کرتا دوسری جان (روح) جن کی موت نہیں آئی واپس کر دیتا ہے اس کی موت کے
 وقت تک۔ بیشک اسیں ضرور نشانیوں ہیں سوچنے والوں کے لئے“

اب سورہ الانعام (پارہ ۶ ص ۶۷) کی یہ آیت بین لایق تلاوت ہے بغرض رہنمائی کامل۔
 ”اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کھاؤ“
 پھر دن میں اٹھا تا ہے کہ ٹھرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اسی کی طرف پھرتا ہے۔“

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے نیند اور موت کا قریبی فاصلہ سمجھ میں آ گیا کہ نیند موت کی چھوٹی بہن ہے
 موت اور نیند ہر دو صورتوں میں روح جسم سے نکال لی جاتی ہے مگر فرق اس قدر کہ موت آنے پر روح بچھڑ جاتا ہے
 جس میں دایس نہیں کیجاتی مگر نیند کی صورت میں روح واپس کر دی جاتی ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے
 کہ ”آقائے اعمار صلعم جب بستر پر لیٹے تو یوں فرماتے ”اے اللہ! تجھ ہی سے میری زندگی بھی ہے اور
 موت بھی“ اور جب آقائے دو جہاں صلعم سو کر اٹھتے تو فرماتے ”تعریف و حمد اس اللہ پاک کے لیے
 جس نے ہم پر موت طاری کی اور پھر اسکے بعد زندگی عطا فرمائی اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ اٹھ کر اسی دربار
 میں حاضر ہونا ہے (بخاری اور مسلم)

اب قابل غور نقطہ یہ ہے کہ موت کی صورت میں جسم کا تمام اعصابی نظام ختم ہو کر رہ جاتا ہے
 اور بحالت نیند اس نظام میں کوئی خلل نہیں آتا۔ حرکت قلب۔ خون کی روانی۔ ہاضمہ کا نظام سانس
 کی آمد و رفت برابر باقی رہتے ہیں۔ قوت حس سے انسان بحالت نیند بالکل محروم نہیں ہو جاتا۔ آواز
 دینے پر کسی غیر معمولی واقعہ کے پیش آنے پر مثلاً جسم کو کسی تکلف کے پیچھے پر انسان بیدار ہو جاتا ہے۔
 حالت نیند میں گہمی ہو تو پسینہ بھی آتا ہے تو پھر موت اور بوقت نیند روح کے قبض کئے جانے میں کیا
 فرق ہے۔ بحالت بے ہوشی تو جسم کو کاٹا بھی جاتا ہے تو احساس نہیں ہوتا۔ مدہوشی بے ہوشی غشی سب
 نیند ہی کی بڑی اور چھوٹی بہنیں ہیں ان تمام میں سانس جاری قلب کی حرکت باقی اعصابی نظام برقرار
 رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں علم کے شہر کے دروازے حضرت علیؓ کے ایک قول سے اس مسئلہ پر دیکھئے کس قدر
 روشنی پڑتی ہے فرمایا حضرت علیؓ نے ”نیند کے آتے ہی انسان کی روح اسکے بدن سے نکال لی جاتی ہے
 مگر ایک شعلہ روح کی بدن میں چھوڑ دی جاتی ہے جسکی بناء پر وہ زندگی کے علامات سے محروم نہیں
 ہوتا بلکہ زندہ رہتا ہے اور اس شواہ کے ربط سے خواب بھی نظر آتے ہیں پھر خواب کے تعلق سے ارشاد
 فرمایا کہ روح اگر خواب دیکھتے وقت عالم مثال کی طرف متوجہ رہی تو وہ سچا خواب ہے اور عالم مثال سے
 بدن کی جانب واپس ہوتے ہوئے خواب دیکھا گیا تو خواب میں شیطانی تصرفات کو دخل ہوتا ہے اور خواب
 رویائی ہوا قہ نہیں رہتا اور مزید فرمایا انسان کی روح بصورت نیند جسم سے نکلتی ہے تو بیدار ہوتے
 وقت آنکھ چپکے سے بھی کم وقت میں بدن میں لوٹ آتی ہے۔

یہ سب چیزیں ہیں یاد رکھنی چاہیے کہ صاحبِ دل اور اولیاء کے خواب بمنزل الہام اور انبیاء کے خواب تھے جیسا کہ یوسف علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوابوں کی تعبیر میں سامنے آتی ہے۔ اقبال اجل اور نیند کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ

ہے اگر ازل تا زلیہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں ؛ جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

دل اور موت میں فرق روح علوی و سفلی

نیند سے انسان بار بار بیدار ہوتا ہے یعنی روح بار بار نیند کے آنے پر جسم چھوڑتی اور بیداری پر جسم میں داخل ہو جاتی ہے لیکن بعورت موت جب روح جسم سے نکلتی ہے تو صرف بروز قیامت ہی جسم میں داخل ہوتی ہے

بعد دائمی زندگی عالم بالا میں اسے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ کے قول مبارک کی رو سے کہ سوتے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے۔ شجاع روح کی بدن میں رہتی جس سے وہ زندہ رہتا ہے۔ ان دو ارواح کے نام دئے گئے ہیں :

۱۔ روح علوی (۲) روح سفلی

روح علوی بحالت نیند عالم بالا کی سرک لے چلی جاتی ہے اور روح سفلی بحالت نیند بہشتی رہتی ہے جس سے نظام اعصابی برابر اپنا کام کرتا اور ان زندہ رہتا ہے۔ موت کی صورت میں ارواح جسم سے نکل جاتے ہیں تو اعصابی نظام ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ روح علوی تو عالم برزخ میں رہتی ہے اور روح سفلی کے تعلق سے مختلف چیزیں ہیں کہ اگر ان نے بحالت سکون و ایمان تو اسکی روح سفلی بھی مطمئن رہتی ہے اور اگر سکون اور ایمان کی حالت میں نہیں بلکہ عالم انتشار و فتنہ میں مبتلا رہ کر دم توڑا تو اسکی روح سفلی شیطان بن کر بھٹکتی ہے۔ زندہ لوگوں کے لئے اس روح سے کام لیتے اور اسکو شیشہ میں بند کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں حتیٰ کہ سفلی کسی انسان کے جسم میں داخل ہو کر تکلیفیں دیتی ہے یہ ایک مستقل تماشہ ہے کہ عامل ارواح کے جسم پر اجناسیاطین اور ارواحِ بد کے آنے کا اعلان و دعویٰ کرتے ہیں کبھی درگاہِ ہر سماء و تماشے دیکھنے میں آتے ہیں بہر حال عامل ارواح کے بن آتی ہے۔ یہ مستقل عنوان ہے کہ ہمیں ایک کتاب کا محتاج ہے ہم یہاں یہ کہتے ہوئے اس عنوان کو ختم کرتے ہیں کہ انسان نہ وقت سکون و ایمان کی خواہش کرنی چاہیے اور کافر کے انداز سے نہیں بلکہ مرد مومن کے سے دسم توڑنا چاہیے۔ کافر اور مومن کی تعریف علامہ اقبالؒ نے یوں کی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ اتفاق میں گم ہے ۛ مومن کی یہ پہچان کہ گم اسپیں ہیں اتفاق

انسان کے جسم کی پیدائش اور اسکی موت اس کرہ ارض پہ

حضرت آدم کے جسم کو مٹی سے پیدا کر کے جسم اور روح کے ملاپ کے بعد جنت اللہ تعالیٰ نے بغرض رہائش عطا فرمائی جس کا ذکر کیا جا چکا ہے جنت کی تمام دل فریبیاں قلب آدم کو کھٹانہ سکیں اپنے ہم جنس کے وجود کی کمی نے سکون سے محروم و مضطرب رکھا تو اللہ پاک نے ان پر غشی و فغونگی طاری فرما کر بلی سے حضرت حوا کو عالم وجود میں لایا جس سے آپ کو فرحت و سکون قلبی حاصل ہوا۔ پھر ایک وقت آیا کہ پھل ممنوعہ کھا کر حوا اور آدم لباس جنت سے محروم ہو کر اس زمین پر آ رہے۔ پھر آدم کی توبہ قبول اور آپ کو خلافت الہیہ کا منصب اس کرہ ارض پر عطا ہوا۔ چونکہ یہ کرہ ارض یہ دنیا عالم اسباب ہے اسلئے اللہ پاک نے تخلیق ابن آدم کے لئے مرد و عورت کے باہمی ملاپ یعنی جنسی جماع، ہم بستری، جماعت کو تخلیق ابن آدم کا سبب بنایا جیسا کہ قرآن حکیم پارہ ۳ سورہ النساء آیت ایک میں اللہ پاک فرماتے ہیں ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اسی میں سے اسکا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے“ پارہ ۲ سورہ بقرہ آیت (۲۲۳) میں فرماتے ہیں :-

”تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں جاؤ اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو اور

اپنے نیک کام و عمل آگے روانہ کرو۔“

اللہ پاک نے اس عالم میں ایک ہی لمحہ میں کن ”کیکر تخلیق کرنے کے اصول کو اسباب کے تحت کر دیا اور مرد اور عورت کی جماعت و ہم بستری اور ایک مدت نو ماہ کی، انسان کی تخلیق کے لئے ضروری قرار دی اور تخلیق میں درپردہ اپنا ہاتھ رکھا چونکہ اس عالم اسباب میں بھی اللہ کی ذات سبب الاسباب ہے اسلئے اس نے تخلیق کے لئے سبب ظاہر فرما کر درپردہ اپنی صفت و کاریگری کے شاہکار دکھائے مگر پھر بھی اللہ پاک نے یہ بتلانے کے لئے کہہ بالکل اسباب کے ہی پابند نہیں ہیں بلکہ قدرت بانع کے حامل ہیں اور اسباب کو توڑ بھی سکتے ہیں چند مثالیں انسان کو پیدا کرنے کی اسباب سے ہٹ کر بھی ظاہر فرمادی کہ صنفی میں جب مرد کمزور ہو جائے اور عورت کے

جیض بھی ضعیف ہونے پر بند ہو کر اولاد بننے دینے کے قابل نہ رہے یا عورت بائجھ ہو تو بھی وہ ان ضعیفوں کو باہم ملا کر بچے کی تخلیق فرما سکتے ہیں اور نصف سبب کو بھی بٹا کر صرف نصف سبب کو بھی باقی رکھ کر آدم کی تخلیق فرما سکتے ہیں یعنی باپ کے بغیر صرف ماں سے ہی انسان کو پیدا فرما سکتے ہیں۔ بغیر ماں باپ کے تخلیق کے کوششے تو حضرت آدمؑ و حواؑ کو پیدا کر کے دکھا ہی گئے تھے اب مندرجہ بالا کوششے دیکھنے ملاحظہ ہو قرآن حکیم سورت (۳) پارہ (۳) سورہ آل عمران کہ ”ذکرنا“ نے کہا اے رب میرے لڑکا کہاں سے ہو گا۔ میں تو بہت بوڑھا ضعیف ہو چکا اور میری بیوی بائجھ ہے۔ فرمایا اللہ یوں ہی کرتا ہے جو چاہے۔ بیشک اللہ آپ کو شرف دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف کے کلمہ کی تصدیق کریگا اور سردار ہیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور یہی ہمارے خاصوں میں۔“ سورہ آل عمران میں اور آگے بڑھے۔

”جب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم! اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا۔ مریم نے کیا اے میرے بچہ کہاں سے ہو گا۔ تجھے تو کسی شخص نے ہاتھ نہ لگایا فرمایا اللہ یوں ہی پیدا کر لے ہے جو چاہے جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے ہی کہتا ہے کہ جو جاوہ فرما رہا ہے۔“ تخلیق آدم کا اللہ پاک کا طریقہ آپ نے دیکھ لیا کہ عالم بالا میں حضرت آدمؑ و حواؑ بغیر ماں اور باپ کے پیدا کئے گئے اس عالم اسباب میں جب ذکر یا علیہ السلام کو وجہ اپنی اور اپنی بیوی کی ضیغی کے اللہ نے ملایا اور حضرت یحییٰ فرزند عطا فرمایا بھ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ اب اس دنیا میں مرد اور عورت کے جماعت سے مرد کا نطفہ (منی) عورت کے رحم (بجہ دانی) میں جانے کے بعد ان کو احسن الخ لقیین کس طرح پیدا فرماتا ہے از روئے قرآن حکیم ملاحظہ فرمائیے۔

”اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے (اسیں روح ڈال کر) سکو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا دیا سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعات سے بڑھ کر ہے (پارہ ۱۸ سورہ المؤمنین ۲۲)“

پھر سورہ یٰسین میں فرماتے ہیں: ”اور لیا آزمی نہ دیکھا کہ ہم نے اسے پانی کی بوتل (منی نطفہ) سے بنایا۔“ (پارہ ۲۷)

پھر پارہ ۲۷ (انجمن میں فرماتے ہیں:

”تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں حمل تھے (پارہ ۲۷) بیشک تمہارے رب کی طرف انتہا ہے اور وہی ہے جس نے مہنسا اور رلایا اور یہ کر دیا ہے جس نے مارا اور جلا یا اور یہ کہ اسی نے دو جوڑے بنائے نر اور مادہ نطفہ سے جب ڈالاجائے اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے بچہ اٹھانا۔ (پارہ ۲۷ - پیج ۷)

”کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا اور پہاڑوں کو میخیں اور تمہیں جوڑا (یعنی مرد اور عورت بنایا۔“ (پارہ ۳۰ سورہ النسا رکوع ۲۷)

”کیا تو اس کے ساتھ کھڑک رہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر تجھے نطفہ سے صحیح و سالم آدنی بنایا۔“ (پارہ ۵۱ سورہ کہف)

اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہو تو سمجھنے سے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر لوثی سے کہ پوری ہوتی ہے اور ادھوری بھی تاکہ تمہارے سامنے ظاہر کر دیں اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک مدت تک کھڑائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں تاکہ اپنی بھری جوانی تک پہنچ جاؤ (پارہ ۷۱ سورہ حج ۲۲ - رکوع ۷)

قرآن حکیم نے ان کی بیدار نشی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور سب جانتے ہیں کہ اللہ پاک نے ماں کے پیٹ میں ان کو ایک صورت دی۔ ماں کے حیض کو اسکی نشوونما کا ذریعہ بنایا پھر نو ماہ میں ایک مکمل نظام اعصابی مکمل کیا پھر ماں کی غذا سے اسے غذا پہنچائی وہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ ماں کے پستانوں میں دودھ دے دیا کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد اس کی پرورش کا سبب بن سکے جس کو اللہ نے چاہا ماں کے پیٹ ہی میں ذریعہ اسقاط حمل دنیا میں آنے کے قبل اس زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ جس کسی کو چاہا دنیا میں ذریعہ وضع حمل لایا وہ بھی اس قدر اعمرانی نظام کے شعبہ جات کے ساتھ کہ نظامِ حاضہ نظامِ دورانِ خون و نظامِ قلب و دماغ نظامِ گردہ و جگر نظامِ بصر و سماعت و گویائی وغیرہ کہ ہر نظام پر ریسرچ کے بعد ضخیم سے ضخیم کتب لکھی جا چکی اور لکھی جا رہی ہیں۔

پھر بعد پیدائش بھی اللہ پاک نے ان کو جب چاہا جس عمر میں چاہا اس دنیا سے

اٹھا لیا اور جسکو عمر طبعی دینی چاہی اسکو عالم طفلی کی پچھن میں داخل فرمایا پھر اسکو مکمل انسان بنا کر فرما کر
شباب کی منزل پر پھر عین شباب کی بلند چوٹی پر لاکھڑا کیا اور اسکے تمام جسمانی صلاحیتوں کو شباب
بخشا۔ پھر آہستہ آہستہ اسکو اڈھڑپن کی عمر میں لے آیا جہاں اس کی جسمانی قوتوں و صلاحیتوں کا انحطاط
اور دماغی صلاحیتوں کا شباب مٹ شروع ہوا اور تجربہ کار کہلایا جانے لگا اور بصورت کو کشش و عمل اسکو
روحانی شباب سے بھی ہٹنا کر گیا۔ بہر حال اللہ پاک کی عطا کردہ ایک معینہ مدت جسے عمر کہتے ہیں کہ ختم
پر اللہ پاک سنے ذریعہ قبض روح جسم سے روح کے تعلق کو قیامت تک کے لیے ختم فرما کر روح کو عالم
برزخ روانہ فرمادیا اور جسم یا تو زمین میں دفن کر دیا گیا یا جلادیا یا پانی میں پھینک دیا گیا اور جھیلیوں
نے کھالیا پھر برزخ قیامت جسم اور روح کا ملاپ ہو گا جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں :-

”کیا ان لوگوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان و زمین پیدا کئے وہ
اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کر دے اور ان کے لئے
ایک میعاد معین رکھے ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں“ (بنی اسرائیل)

”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور جوڑا ہو جائیں گے تو کیا ہم زس نہ پیدا
اور زندہ کئے جائیں گے آپ فرمادیجئے۔ اے نبی مکرم صلعم، تم بتھریا لو یا کوئی
خلوق ہو کر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو اس پر پوچھیں گے کہ وہ کون
ہے جو ہم کو دوبارہ زندہ کرے گا آپ فرمادیجئے کہ وہ ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا
اس پر آپ کے آگے سر ہلا کر کہیں گے کہ یہ کب ہو گا، آپ فرمادیجئے کہ عجب نہیں
یہ قریب ہی آئیگا ہو۔“ (سورہ بنی اسرائیل ۷۷-۷۸ - رکوع ۸)

پس معلوم ہو چکا کہ انسان پھر اپنے پرانے جسم کے ساتھ برزخ قیامت پیدا کیا جائے گا مزید
تفصیل آگے آئے گی اب ہم سورہ یسین کی تلاوت کریں :-

”اور پھونکا جائے گا صور جہی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے
چلیں گے۔ کہیں گے ہمارے ہماری خرابی کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا یہ ہے
وہ جس کا رحمن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا وہ تو نہ مرگی مگر ایک
چنگھاٹ جہی وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے تو آج کسی جان
پر کچھ ظلم نہ ہو گا اور تمہیں بدلہ ملے گا مگر اپنے کئے کا۔ بے شک جنت
والے آج دل کے بہلاؤں میں پچھن کرتے ہیں وہ ان کی میبیاں سیالوں میں

ہیں تختوں پر تکیہ لگائے۔ ان کے لئے اس میں میوہ ہے اور ان کے لئے ہے آسین
جو مانگیں ان پر سلام ہو گا مہربان رب کا فرمایا ہوا اور آج الگ پھٹ جاؤ گے
بھر مر! اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کو نہ بلو جنابیشک
وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری بندگی کرنا یہ سیدھی راہ ہے اور بیشک اس نے تم
میں سے بہت سی خلقت کو بہکا دیا تو کیا تمہیں عقل نہ تھی۔ یہ ہے وہ جہنم جس کی تم
سے وعدہ تھا آج اسی میں جاؤ بدلہ اپنے کفر کا آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے
اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے۔ اور ان کے پاؤں ان کے لئے کی گواہی دیں گے
(پارہ ۱۸ ص ۱۰۷)

کیا زندگی مراد ہے صرف جسم و روح ہی کے ملاپ؟

اب ہم آخری مرحلہ پر آتے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر کیا گیا جسم درود کا وہ ملاپ جو اس
خاک کی پتلے کو متحرک کر دے۔ طلب کو دھڑکن جسم میں خون کی روانی اور سانس کی آمد و رفت بحال رکھے
قوت بصارت قوت سماعت قوت گویائی عطا کرے زندگی ہے جس طرح بھاپ ریل چلاتی ہے خاک
کے پتلے کو متحرک کرنے والی بھاپ کا نام ہے ”روح“ مگر اب ایک سوال جو حل طلب باقی رہ جاتا
ہے وہ ہے۔ کیا روح اور جسم کے ملاپ کے بغیر زندگی ہی نہیں؟ جیسا کہ اس کے قبل بیان کیا جا چکا
ہے کہ اللہ نے عالم ارواح میں تمام ارواح کو جمع فرما کر سوال کیا ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“
تو سب ارواح نے جواب دیا ”ہاں آپ ہمارے رب ہیں ہم گواہ ہوئے“ ارواح نے سوال اس
وقت سنا اور جواب دیا جبکہ ان کا جسم سے کوئی سروکار نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ جسم سے روح کا ملاپ
نہ بھی ہو تو زندگی موجود رہتی ہے اور روح میں قوت سماعت اور قوت گویائی کے لئے جسم کا ہونا
ضروری نہیں۔ ہم اور آگے بڑھتے ہیں تو یہ چلتا ہے کہ قوت سماعت اور قوت گویائی احساس اللہ
پاک نے انساں ہی کو نہیں بلکہ آسمانوں پہاڑوں جہادات کو بھی عطا فرمائے ہیں اب ہم قرآن کی اس
آیت کو آنکھوں سے لگاتے ہیں۔

”ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا ان سب نے
اٹھا لینے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور انسان نے اسکو اٹھالیا“

مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ سمجھنے اقبال یا انکار کرنے بات کرنے اور احساس کی قوتوں

کے ذریعہ توحشی اور ڈر کی کیفیات و صلاحیتیں جو انسانی زندگی کا جزو سمجھا جاتا ہے اللہ پاک نے زمینوں پہاڑوں کو بھی عطا فرمائی ہیں اور حتیٰ کہ شجر و حجر کو بھی۔ اس لحاظ سے ان میں بھی زندگی ہے علامہ کہتے ہیں :-

خصوصیت نہیں کچھ اسپیں اسے کلیم تری ؛ شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں
مذرحہ بالا پیش کردہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ زندگی ایک وسیع سمندر ہے جو جسم اور روح کے ملاپ کی محتاج نہیں بلکہ انسان کے لئے بھی ایسی منزل آتی ہے کہ زندگی جسم اور روح کے ملاپ کی محتاج نہیں رہتی۔ جسم سے روح کے نکل جانے کے بعد انسان از روئے قرآن زندہ رہتا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں :-

”اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں“ (پارہ اول سورہ البقرہ)

اور پھر فرماتے ہیں :-

”اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں“ روزی پاتے ہیں شاد ہیں اسی پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۶۹)

مذرحہ بالا آیت قرآنی اعلان کر رہی ہے کہ جسم اور روح کے ملاپ ہی کا نام زندگی نہیں بلکہ اللہ کے پاس کی زندگی جو اصل زندگی ہے وہ اور ہی نوعیت رکھتی ہے۔ حالانکہ یہ اعتبار جسم شہدا کی مدت واقع ہو جاتی ہے ان کے جسم پارہ پارہ کر دیئے جاتے یا ہو جاتے ہیں وہ دفن بھی کر دیئے جاتے ہیں ان کی بیوائیں بعد عدت دوسرے مردوں سے نکاح بھی کر لیتی ہیں ان کے بچے تئیم کھاتے اور ان کی وراثت لائق تقسیم ہو کر تقسیم بھی ہو جاتی ہے اس کے باوجود اللہ پاک حکم فرماتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو انہیں مردہ خیال نہ کرنا کیونکہ وہ زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں اور بہت خوش ہیں ان کی زندگی ان کی تمہیں خبر نہیں۔ صاف ظاہر ہو گیا کہ زندہ گائیوں کے بھی نوعیتیں اور اقسام ہیں اور صرف جسم اور روح کا ملاپ صرف ایک نوعیت کی زندگی کا نام ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں :-

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو ؛ بخند ہو جائے تو شمشیر بے زہار تو
موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی ؛ ہے یہ شام زندگی صبح و وام زندگی

موت کی لیکن دل دانا کو کچھ پروا نہیں ؛ شب کی خاموشی میں جز ہنگامہ فردا نہیں
 آتش کا رعب ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے ؛ اگرچہ ایک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تخریب تعمیر کا آغاز ہے۔ اختتام کے ساتھ ہی آغاز
 شروع ہوتا ہے۔ فنا کے ساتھ ہی بقا کی منزل آتی ہے جب زندگی کروٹ بدلتی ہے تو موت اور
 موت جب کروٹ بدلتی ہے تو زندگی کا سورج نمودار ہوتا ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ فنا کیا ہے
 اور بقاء کیا ہے ؟

بقا اور فنا کا تصور | جیسا کہ کہا جا چکا ہے انسان عالم بالا سے اس
 کرہ ارض پر بھیجا گیا تو مکاں و زمان کی قید کے تابع ہو گیا جس کا نتیجہ تغیر اور انقلاب کی صورت
 میں ظاہر ہونا شروع ہوا۔ جب تغیر انقلاب بقا و فنا کا ریسرچ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آنے
 میں دیر نہیں لگتی کہ یہ سب ظاہری ہیئت کو بدلتے رہنے کے نام ہیں حتیٰ کہ موت اور زندگی پر بھی
 اسی اصول کا الحاق ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مادہ کبھی فنا نہیں ہوتا بلکہ کبھی نظروں سے
 غائب ہوتا ہے تو ہم موت نام دیتے ہیں جب تغیر پذیر ہو کر دوسری ہیئت اختیار کر لیتا ہے تو ہم
 فنا کا نام دیتے ہیں مثال کے طور پر نمک کو پانی میں ڈال دو جب گھل گیا تو گو یا نمک فنا ہو گیا
 مگر دراصل وہ اب بھی پانی کا جزو بن کر باقی ہے لیکن ظاہری نظریں نہیں دیکھ سکتیں مگر جس دھندلی
 زبان پہچان لے گا، اسی طرح عرفان ہو تو فنا و بقا کے تصور کو عارف پہچان لے گا۔ اچھا اب پانی
 کو گرمی و حرارت پہنچا کر بھاپ بنا کر اڑا دو۔ پانی فنا ہو گیا اور بھاپ نے جنم لیا پانی مر گیا اور بھاپ
 نے زندگی پائی اور نمک پھر برتن میں نیا روپ لیکر زندہ و موجود ہے۔ اب بھاپ کو ٹھنڈک پہنچاؤ
 تو بھاپ فنا ہو گئی مر گئی اور پھر پانی عالم وجود میں آ گیا یعنی پیدا ہو گیا اب پانی کو اس قدر ٹھنڈک
 پہنچاؤ کہ وہ برف بن جائے گو یا پانی فنا اور برف پیدا، پھر برف کو گرمی پہنچا دیا اسکو اپنے حال پر
 چھوڑ دو گویا برف نے اپنا وجود کھو کر فنا اختیار کر لی یا مر گیا اور پانی نے جنم لیا۔ بس معلوم ہوا کہ اس
 عالم ثانی اور عالم اسباب میں اسباب کے تحت و عینیں بدلتے اور تغیر پذیر ہونے ہی کو فنا و بقا کہتے
 ہیں اور تغیرات ہر منزل پر ایک نئی زندگی اور نیا نام پاتے ہیں۔ انسان باپ کی پیٹھ میں رہتا اور
 پھر مٹی کی صورت بدلتا ہے تو اس کو ان نہیں کہتے جب نطفہ بن کر ماں کے رحم میں داخل ہو جائے
 تو جنین کہلاتا ہے پھر جیسا کہ قرآنی آیات پیش کی گئی کہ وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح تغیر پذیر ہوتا رہتا
 ہے اور ہر وقت نام بدلتا رہتا ہے اور جب وضع حمل کے ذریعہ عالم وجود میں آتا ہے تو بھی انسان نہیں

کہلاتا بلکہ طفل شیر خوار پھر کچھ لڑکا کا نام یا تاسیے ان منزلیں پر بھی کوئی اسکو آدمی یا انسان نہیں کہتا تا آنکہ وہ جوان نہ ہو جائے۔ دیکھا آپ نے زندگی کی نوعیتیں اور اقسام اور اس کے تغیرات کہ ہر نوعیت ہر تغیر ایک نیا نام پارہا ہے اور ہر تغیر زندگی سے محروم نہیں ہے پھر ادھر پناہ صغی کے بعد یا قبل اس کے روح جسم سے نکل جائے تو بھی اس کے جسم کو ان کوئی نہیں کہتا بلکہ مردہ میت یا جنازہ کہا جائے گا۔ قبر میں بھی جسم پر تغیرات کی منزلیں ایسی جسکو آپ فنا کے نام سے تعبیر کر سکیں گے مگر یاد رہے کہ وہ قبر میں معدوم نظر آئے یا غیر دفن جلا دیا جائے یا رکھ بنا دیا جائے اس کے جسم کا ایک ایک ذرہ محفوظ ہے مگر ہیت بدلی ہوئی ہے جو بروز قیامت یکجا کر کے جسم کی صورت میں اللہ پاک کی قدرت سے پھر عالم وجود میں لایا جائے گا جیسا کہ سورہ یسین کی آیات پیش کی گئی کہ ہاتھ پاؤں بروز قیامت گواہی دینگے تو ظاہر ہے کہ اس کا جسم وہی پرانا ہوگا دوسرا نیا جسم بنا کر حاب و کتاب لینا اچھ پھر نئے جسم کے اعضاء سے گواہی دلوانا قرین عقل ہو سکتا ہے نہ قرین انصاف۔ بس معلوم ہوا کہ انسان کا وہی پرانا جسم جو دنیا میں تھا وہ فنا نہیں ہوا صرف ہیت بدلتی گئی اس کے ذرات زمین اور فضا میں اور بصورت پھیلوں لکھ کھا جانے پر بھی محفوظ رہے اور بروز قیامت پھر سب یکجا کر کے جسم عالم وجود میں بلاتا بغیر لایا گیا۔ اب قرآن حکیم اور سورہ بقرہ رکوع ۳۵ کی تلاوت اللہ پاک کی قدرت بالغہ کا بہ بانگ دہل اعلان کر رہا ہے۔

”جب عرض کی ابراہیمؑ نے اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کہوں کہ میرے دوسرے

جناں سے کچھ، فرمایا کیا تجھے یقین نہیں۔ عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں

کہ میرے دل کو قرار آجائے تو فرمایا تو اچھا چار پرندے لیکر ہلاے اور انکی ایک

ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ، پھر انہیں ہلاؤ۔ وہ ترے پاس چلے آئیں گے۔ پاؤں

سے دوڑتے اور جان رکھ کر اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورہ بقرہ رکوع ۲۵)

اب مولانا اعلیٰ حضرت مفتی احمد رضا خان اور مولوی سید نعیم الدین صاحب کی تفسیر لائحۃ

”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے (۱) مور (۲) مرغ (۳) بکتر (۴) کوا۔

انہیں بحکم اللہ پاک ذبح کیا ان کے پیر اکھاڑے اور قیمہ کر کے ان کے اجزاء باہم خلط کر دیئے اور اس

مجموعہ کے کئی حصے کئے ایک ایک حصہ ایک پہاڑ پر رکھا اور سر پیٹ کے سب اعضاء اپنے پاس

محفوظ رکھے پھر فرمایا۔ ”چلے آؤ حکم الہی سے“ یہ فرماتے ہی وہ اجزاء اڑتے اور ہر ہر جانور

کے اجزاء ارحمہ ہو کر ترتیب سے جمع ہوئے اور پرندوں کی شکلیں بن کر اپنے پاؤں سے دوڑتے

حاضر ہوئے اور اپنے معرزیں سے مل کر پہلے کی طرح مکمل ہو کر اٹھ گئے۔ سبحان اللہ۔
اب ظاہر ہو گیا کہ روح کو فنا نہیں تو جسم کو کب ہے صرف ہیئت کے بدلنے کا نام فنا ہے
چونکہ مکالمہ و زمان کے اثرات کے زیر اثر اس دنیا کی ہر چیز کی ہیئت بدلتی ہے اسلئے اس دنیا کو فانی اور
ہر چیز کو موت کا ذائقہ کچھنا ضرور ہے کہا گیا اور ذات باری مکالمہ اور زمان کی قید سے آزاد ہیں
میرا ہیں لامکالم ہیں اسلئے تغیر کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا لہذا وہ فنا کی تعریف سے بالاتر ہیں
اور انسان کے لئے اور دیگر مخلوق کے لئے موت نام ہے ہیئت بدلنے کا زندگی کے کوڑے لینے کا کہ
ایک پہلو لیٹے لیٹے بے چینی ہوئی کوڑے بدلی سکون ملا آرام ملا اس لئے فرمان رسول خدا صلعم ہے کہ
موت مومن کے لئے خدا کی طرف سے تحفہ ہے (ابن حبان) اسلئے علامہ اقبال ارغمان میں فرماتے ہیں۔

نشان مرد حق دیگر چہ گویم جو مرگ آید تبسم برب اوست
ترجمہ: ”مرد حق کا نشان ہم اس سے سوا اور کیا بیان کریں کہ جب اس کو موت آتی ہے تو اس کے
لبوں پر تبسم کھینٹا رہتا ہے۔“ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان موت سے گھبراتا ہے جبکہ
اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان قدرت کا شاہکار عظیم ہے تو کس طرح قدرت
اپنے لائقانی شاہکار کو ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا دیگی علامہ اقبال کہتے ہیں:-

فرشتہ موت کا چھوٹا ہے گودن تیرا	ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے	خواب کے پردہ میں بیداری کا ایک پیغام ہے
ہے اگر ابدان تو یہ سچو اجل کچھ بھی نہیں	جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات	عام اس کو لیں نہ کر دیتا نظام کائنات
جو ہر سال عدم سے آشنا ہوتا نہیں	آنکھوں سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہر ہر شام صبح	مرقد ان کی شب کا لیں نہ ہو انعام صبح
مختلف ہر منزل ہستی کی رسم و راہ ہے	آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
آہ غافل! موت کا راتر نہاں کچھ اور ہے	نفس کی ناپا بندی سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظار ہے نقش ہوا مالکے آب	موج مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حجاب
موج کے دامن میں پھر کر چھپاؤ تجھے یہ	کتی بیدردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے
پھر نہر لکتی حجاب اپنا اگر پیدا ہوا	توڑنے میں اسکے یوں ہوتی نہ بے چارہ ہوا
اس روش کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر	یہ تو حجت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں : ٹوٹا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
 زندگی محبوبی دیدہ قدرت میں ہے : ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
 اچھا اب اور آگے بڑھے علامہ اقبال انسان کے بلند مرتبت ہونے کا اظہار یوں
 فرما رہے ہیں کہ یہ انسان جسکی نظر ہر وقت افلاک پر رہتی ہے اور جو مقاصد میں ملایک سے پاکیزہ
 ہے اور جو محفل قدرت یعنی کائنات میں شمع کی مثال بنا کائنات کو روشن کر رہا ہے اور آسمان
 کی وسعت تو اسکی فطرت کے ایک نقطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس انسان کی نادانی صداقت کیلئے
 بیتاب رہتی ہے یعنی اشارہ ہے کہ بار امانت جسکو اٹھانے سے سب نے انکار کر دیا تھا یہ انسان کی وہ نادانی
 تھی کہ اس نے اس بار کو اٹھا کر صداقت کی بیتابی کا ثبوت دیا اسی انسان کا ناخن ساز ہستی کو چھڑکے
 ہستی کے نعمات نکالتا ہے تو کیا ایسے بلند مرتبت انسان کا شعلہ حیات گردوں کے شراروں یعنی چاند
 آفتاب مایہ تاب سے بھی کیا کم بہا ہو سکتا ہے۔ ان خیالات کو علامہ یوں ظاہر فرماتے ہیں :-
 پھر یہ انسان اس سوے افلاک سے جسکی نظر : قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے یا کیونہ تر
 جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے : آسمان ایک نقطہ جسکی وسعت میں ہے
 جسکی نادانی صداقت کیلئے بیتاب ہے : جس کا ناخن ساز ہستی کیلئے مضرب ہے
 شعلہ یہ کتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا؟ : کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا؟
 اب علامہ تخم گل کی ایک اور مثال دیکر فلسفہ زندگی اور موت کو سمجھا رہے ہیں اور پھر انسان کی زندگی
 سے تقابل فرماتے ہیں :-

تخم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بخواب ہے : کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
 زندگی کا شعلہ اس دانہ میں جو متور ہے : خود نمائی خود فزائی کیلئے مجبور ہے
 سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں : خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
 پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ : موت سے گویا قبائے زندگی بات ہے یہ
 ہے لمحہ اس قوت آشفقہ کی شرارہ بند : ڈالتا ہے گردن گردوں میں جو اپنی کند
 خوگر پرداز کو پرداز میں ڈر کچھ نہیں : موت اس گلشن میں بہت بخون کرچہ نہیں

اب علامہ زندگی کو ایک ندی سے تعبیر کرتے ہوئے سمجھاتے ہیں کہ یہ پہاڑ کی پیشانی سے نعمہ کاتی
 نکلتی ہے اور اسکا چہرہ رخسار حور کی طرح روشن ہوتا ہے وادی کے چٹانوں سے جب ٹکراتی ہے تو چور چور ہر
 قطروں میں گوہر کی طرح تبدیل ہوتی اور پھٹ کر بوندوں کی ایک دنیا نظر آتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

ندی نے اپنا وجود ہی ختم کر دیا لیکن جب یہ سب قطرے پھر آگے بڑھ کر مل جلتے ہیں تو پھر وہ نندی پھر اسی انداز سے بہنے لگتی ہے یعنی اگر قبر میں جسم زیرہ ہو جائے تو بھی بعد میں بروز قیامت کیجا ہو کر پھر پہلے کی طرح ہو جائے علامہ پھر سمجھاتے ہیں کہ نندی جو پہاڑ سے نکلنے وقت نہر کی صورت تھا اور وادی میں گرتے وقت قطروں میں تبدیل ہو گئی لیکن آگے بڑھ کے جب یہ قطرے پھر آپس میں ملے تو نندی میں کر پھر بہنے لگی۔ اسی طرح زندگی کی اصلیت بھی ایک نہر رواں کی طرح ہے ان حالات میں مرنے فنا ہونے کا سوال ہی کب پیدا ہو سکتا ہے اب دیکھیے علامہ اقبال کا انداز بیان اور قوت اظہار بیان۔

آتی ہے نندی جبین کوہ سے گاتی ہوئی : آسمان کے طائرؤں کو نغمہ کھلاتی ہوئی

آئینہ روشن ہے اس صورت رخسارِ حور : گر کے وادی پر یہ ہو جاتا ہے پُور

نہر جو تھی اسکے گوہر پیکار پیکار بن گئے : یعنی اس افتاد سے پانی کے تارے بن گئے

جوتے سیاب رواں پھٹ کر پریشان ہو گئی : مضطرب بوندوں کی ایک دنیا نمایاں ہو گئی

ہجرانِ قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے : دو قدم پر پھر دہی جو مثل تارِ سم ہے

ایک اصلیت میں ہے نہر رواں زندگی : گر کے رنعت سے ہجوم نوع انسا بن گئی

پستی عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم : عارضی فرقت کو دائم جان کر رہتے ہیں ہم

مرنے والے رہتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں : یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

مرنے والوں کی جبین روشن ہے اس ظاہر میں : جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو مومن کیلئے اللہ کا تحفہ فرمایا اور علامہ اقبال نے اسکی یوں تشریح کی ہے کہ

نشانِ مردِ حق دیگر چہ گویم : جو مرگ آید تبسم برب اورست

یعنی مردِ خدا مردِ حق کی نشانی ہم اس سے زیادہ اور کیا بیاں کریں کہ جب مردِ مومن (غلامِ محمد) کو موت

آتی ہے تو اسکے ہونٹوں پر تبسم ہوتا مسکراہٹ کھلتی رہتی ہے گویا یہ اس خوشی کا اظہار ہے کہ اس نے

جو پاتا تھا پایا اسکو جو ملنا تھا وہ مل گیا یعنی حیات جاوید اور ابدی زندگی اور قربِ ربانی لہذا۔

مرنے والوں کی جبین روشن ہے اس ظاہر میں : جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں



بٹھول بن کر اپنی تربیت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قباۓ زندگی پاتا ہے یہ

